ایسا موضوع نکلے، جو انہیں سمایا نہ ہو، تقریر مجموعی حیثیت سے بیحد دلچسپ اور مطالعہ کے لائق ہو،

زہق الباطل، ازجناب ابو الفضل شمس البنی صاحب شمس امروہوی، ۹۵ صفحے، پتہ:- ہمدرد بک ایجنسی، سہارنپور،

اس رسالہ میں اس کے مؤلف اور ایک قادیانی مناظر سے تحریری مناظرہ کے مکاتیب شائع کئے گئے ہیں، جنہیں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نبوت اور مجددیت پر مباحثہ ہوا ہے، مؤلف نے دیباچہ میں مسئلہ ختم نبوت کی تشریح کی ہو، اور عہد اسلامی کے جھوٹے نبیوں کا تعارف کرایا ہے،

کتاب الصلوٰۃ، ازجناب شیخ علی جواد صاحب لکچرر مسلم یونیورسٹی انٹرمیڈیٹ کالج علی گڑھ، حجم ۱۳۰ صفحے، قمت درج نہیں،

کتاب الصلوٰۃ دو رسائل کا مجموعہ ہے، پہلا رسالہ (۵۰ صفحے) سیرت امام احمد بن حنبل ہے، اسمیں ان کے سوانح حیات مختلف ماخذوں سے جمع کرکے محنت اور ذوق کیساتھ لکھے گئے ہیں، اور دوسرا رسالہ (۸۰ صفحے) امام موصوف کی کتاب کا ترجمہ ہے، یہ رسالہ امام احمد نے ایک ایسی جماعت کے پاس لکھ کر بھیجا تھا، جسکے ساتھ انھوں نے نماز ادا فرمائی تھی، اور ان کی نمازیں صحیح طریقہ سے ادا نہیں ہوئی تھیں، امام موصوف نے اسمیں انکی غلطیاں بتائی ہیں، اور احادیث و آثار کے ذریعہ صحیح نماز کا طریقہ بیان فرمایا ہے،

نذر امجد، ازجناب حکیم الشعرا سید امجد حسین امجد حیدرآبادی، ۴۱ صفحے، عماد پریس حیدرآباد دکن، قیمت ۶/

یہ حضرت حکیم الشعرا سید احمد حسین امجد حیدرآبادی کی چند مسلسل رباعیاں ہیں، جنہیں موصوف نے آنحضرت صلعم کے مکہ سے مدینہ ہجرت فرما کر تشریف لیجانے کے واقعات کی مصوری اپنے خاص رنگ میں کی ہے،

سرور دو عالم، ازجناب فضل کریم درانی بی اے، ناشر پکوارٹ پریس، موچی دروازہ لاہور، ۱۹۰ صفحے قیمت ۸/

یہ رسالہ سیرت نبوی میں ہے، جو سہل و آسان زبان میں لکھا گیا ہے، اس رسالہ کا تذکرہ اس سے پہلے ان صفحات میں آچکا ہے، اب اس کا طبع ثانی شائع ہوا ہے،

"س"

جلد ۳۵ | ماہ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۵ء | عدد ۵

مضامین

شذرات

جو لوگ مشرق سے مشرقی علوم کی تکمیل کے لئے یورپ کی درسگاہون مین جاتے ہین اکثر
دیکھا گیا ہے کہ وہ وہان سے اسقدر مرعوب ہوکر واپس آتے ہین کہ وہ ہمیشہ بے تحقیق وہان کی تحقیقا
اور نتائج تحقیقات کو علمی تحقیق کی آخیر حد سمجھتے ہین، اور عمر بھر ان کی تقلید ونقالی کرتے رہتے ہین
تقلید محض اور بزرگوں کے ساتھ حسن ظن اگر اچھی چیز ہے، تو اس مین مشرق ومغرب کا فرق کیا ہے؛
اور اگر بری چیز ہے تو ائمۂ مشرق کی تقلید جتنی بری ہے، کم از کم اوتنی ہی اساتذۂ مغرب کی کورانہ
تقلید بھی بری ہونی چاہئے،

مولنا حالی مرحوم نے اپنے علماء کی تقلید جامد اور پرانی کتابون پر ان کے جمود کو ان شعرون
مین برا کہا تھا، اور سچ کہا تھا،

نہ قانون مین ان کی کوئی خطا ہے — نہ مخزن میں انگشت رکھنے کی جا ہے
سدیدی میں جو کچھ لکھا ہے بجا ہے — نفیسی کے ہر قول پر جان فدا ہے

اگر کتابوں کے نام بدل کر آجکل کی مغربی تصنیفات کے نام رکھدیجئے تو بعینہ یہی طعن ابنائے
عصر پر بھی صادق آسکتا ہے،

اس ماحول میں اگر کبھی کوئی استثنائی مثال سامنے آجاتی ہے تو بے انتہا اس کی قدر ہوتی ہے
جامعہ عثمانیہ کے ایک فاضل سند یافتہ محمد حمید اللہ صاحب نے جامعۂ مذکورسے علوم مشرقی مین ایم اے
کرکے، یورپ کی درسگاہون کا سفر کیا، اور شام وفلسطین ومصر وترکی سے گذرتے ہوے اٹلی، ہالینڈ
انگلینڈ، فرانس، اور جرمنی مین تعلیم کے اوقات گذارے، بون یونیورسٹی (جرمنی) سے پی ایچ ڈی کی،

اور پیرس سے ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی اور سب سے بڑی سعادت یہ پائی کہ اس سفر کا آغاز حجاز سے
کیا، اور مدینہ منورہ سے دماغی اور قلبی دونون قسمون کے فیض حاصل کئے، پھر یورپ جاکر بھی وہ مسلمان
رہے، اور مسلمان واپس آئے،

بون یونیورسٹی مین ان کے مقالہ کا موضوع "اسلامی قانون بین الممالک" اور پیرس مین اسلامی
سیاسیات خارجہ عہد نبوی اور عہد راشدین" تھا، ان کا یہ دوسرا مقالہ پیرس کے ایک پبلشر نے چھاپکر شائع
کیا ہے، اس کتاب کے باب ششم فصل دوم میں "مکتوب نبوی بنام ہرقل" پر بحث کی ہے، اور اس بارہ مین یورپین
مستشرقین کے اعتراضات وشکوک کا جواب دیا ہے، عنقریب یہ حصہ معارف میں شائع ہوگا، اصل کتاب
جو فرنچ مین ہے، ہندوستان میں حبیب اینڈ کو، اسٹیشن روڈ، حیدرآباد دکن سے ملیگی،

ابتدائی مسلمان محققین کیمیا میں جابر بن حیان کو جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا شاگرد
کہا جاتا ہے، بہت کچھ اہمیت حاصل ہے، گو اسکی تاریخی شخصیت شروع ہی سے معرض بحث میں رہی ہے
تاہم اتنا مسلم ہے کہ اس کے نام سے فن کیمیا پر عربی مین چھوٹے چھوٹے بہت سے رسالے ملتے ہیں، اور ان
مین بعض کے لاطینی مین ترجمے بھی دستیاب ہوتے ہیں، ۱۸۹۱ء میں مرزا محمد شیرازی نے بمبئی سے اس کے
گیارہ رسالے پتھر پر چھاپے تھے، ۱۹۲۸ء میں پیرس سے ای جے ہالمیارڈ (HALMYAIRD)
ہیڈ آف دی سائنس ڈیپارٹمنٹ کلفٹن کالج، برسٹل نے انھین گیارھوں رسالوں کو ٹائپ مین چھپوایا
اور اس کی دوسری جلد ان کے انگریزی ترجمہ اور مقدمہ وحواشی کو قرار دیا،

اب اطلاع آئی ہے کہ پیرس یونیورسٹی کے معلم فلسفۂ اسلامیہ ڈاکٹر پاؤل کراس جابر کے چھ غیر مطبوعہ
رسالے مصر، قسطنطنیہ اور یورپ کے قلمی نسخون سے مقابلہ کرکے چھاپ رہے ہیں، ان میں بعض اُن اہم
یونانی رسالوں کے اقتباسات بھی ہیں جن کی یونانی اصل آج مفقود ہے، یہ مجموعہ چھ سو صفحون میں تمام ہوگا
اور امید ہے کہ ستمبر ۳۵ء تک شائع ہوجائے، جو اصحاب پیشگی قیمت بھیجیں گے ان کو مع محصول ڈاک ستر

زینک میں ملیگا، ہندوستان میں جیب اینڈ کو اسٹیشن روڈ حیدرآباد کو چودہ روپے بھیجکر نام رجسٹر کرا لیجئے

حافظ ابن کثیر کی مشہور تاریخی تصنیف کا نام کتاب البدایہ والنہایہ ہے، جسکی سیرت کا حصہ خاص طور سے اسلئے اہم ہے کہ اسمیں مغازی ابن اسحاق، مغازی موسیٰ ابن عقبہ وغیرہ کے اقتباسات اور کتب حدیث کے ذخیرے سیرت شامل ہیں، حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی مرحوم نے جب سیرۃ کی تالیف کا آغاز کیا تو حسرت کیساتھ وہ دو کتابوں کا نام لیتے تھے، اور ان کے نہ ملنے پر افسوس کرتے تھے، ایک سیرۃ شامی، اور دوسری یہی کتاب البدایہ والنہایہ، اب دیکھئے کہ وہی نادر روزگار بازاروں میں آکر فروخت ہو رہا ہے، کتاب البدایہ کی چار جلدیں مصر میں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں، اور بقیہ جلدیں زیر طبع ہیں،

صحیح بخاری کی شرح فتح الباری لابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ نے گو بخاری کی قدیم شرحوں پر خط نسخ پھیر دیا ہے، تاہم قدما کی ہر تصنیف اپنے ماخذ کے لحاظ سے قابل قدر ہے، صحیح بخاری کی دو شرحیں زرکشی اور کرمانی بہت مشہور ہیں، پہلی بدرالدین زرکشی مصری المتوفی ۷۹۴ھ کی ہے جسکا نام التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح ہے، یہ ۱۲ جلدوں میں تمام ہوگی، جنمیں سے پانچ چھپ چکی ہیں، اور انکی قیمت سات روپیہ تیرہ آنے ہے، اور دوسری شمس الدین کرمانی المتوفی ۷۸۶ھ کی ہے اور اسکا نام الکواکب الدراری ہے، یہ تقریباً ۲۲ جلدوں میں ہوگی، جنمیں سے دس جلدیں چھپ چکی ہیں، اور ان مطبوعہ اجزاء کی قیمت چودہ روپیئے ایک آنہ ہے، اسمیں صحیح بخاری کا خوشخط با اعراب متن چند سطروں میں اوپر ہے، اور نیچے شرح ہے، ابنائے غلام رسول سورتی جامع محلہ بمبئی نمبر ۳ سے ہندوستان میں ملیگی،

دارالمصنفین کی تصنیفات میں ارض القرآن مشہور کتاب ہے، مدت سے احباب کا تقاضا تھا کہ اسکا ترجمہ انگریزی میں ہو، کتاب کی اشاعت پر بیس برس گذر چکے تھے، اور اس اثنا میں معلومات بہت کچھ بڑھ گئے ہیں اسلئے اس کتاب کے نئے نسخہ کی تیاری کا موقع نہ تھا، ناظرین کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ مولوی سید مظفر الدین صاحب ندوی، ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج کلکتہ نے اسکا انگریزی میں ترجمہ کیا، اور معلومات میں اضافہ اور انگریزی کے لحاظ سے تغیر کیا، اور اب وہ تین جلدوں میں ہو کر کلکتہ میں زیر طبع ہے، ہر جلد غالباً ڈھائی سو صفحوں پر مشتمل ہوگی،

مقالات

صبر کا قرآنی مفہوم

صبر کی حقیقت پر عوام کی غلط فہمی نے تو بر تو پردے ڈال رکھے ہیں، وہ اُن کے نزدیک بے بسی و بیکسی کی تصویر ہے، اور اپنے دشمن سے کسی مجبوری کے سبب سے انتقام نہ لے سکنے کو کہتے ہیں، لیکن کیا واقعہ یہی ہے،؟

"صبر" کے لغوی معنی "روکنے" اور "سہارنے" کے ہیں، یعنی اپنے نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا، اور اس کو اپنی جگہ پر ثابت قدم رکھنا، اور یہی صبر کی معنوی حقیقت بھی ہے، یعنی اس کے معنی بے اختیاری کی خاموشی، اور انتقام نہ لے سکنے کی مجبوری کا نہیں، بلکہ پامردی، دل کی مضبوطی، اخلاقی جرأت اور ثبات قدم کا نام ہے،

حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کے قصہ میں ایک ہی آیت میں تین جگہ یہ لفظ آیا ہے، اور ہر جگہ یہی معنی مراد ہیں، حضرت خضر کہتے ہیں،

إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا،	تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے، اور کیسے
وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ	اس بات پر صبر کر سکتے ہو جس کا علم
خُبْرًا، (کہف - ۹)	تمہیں نہیں،

حضرت موسیٰ جواب میں فرماتے ہیں،

سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا (کہف ۔۹) — اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے،

اس صبر سے مقصود لاعلمی کی حالت میں غیر معمولی واقعات کے پیش آنے سے دل میں اضطراب اور بےچینی کا پیدا نہ ہونا ہے،

کفار اپنے پیغمبروں کے سمجھانے بجھانے کے باوجود پوری تندہی اور مضبوطی کے ساتھ بت پرستی پر قائم رہتے ہیں، تو اس کی حکایت ان کی زبان سے قرآن یوں کرتا ہے:۔

اِنْ کَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِھَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْھَا ۔ (فرقان ۔۴) — یہ شخص (پیغمبری کا مدعی) تو ہم کو اپنے خداؤں (بتوں) سے ہٹا ہی چکا تھا اگر ہم ان پر صابر (ثابت) نہ رہتے،

یعنی اگر ہم اپنے مذہب پر مضبوط اور ثابت قدم نہ رہتے، یہی مفہوم ایک اور آیت میں ہے کہ کفار آپس میں کہتے ہیں،

اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِھَتِکُمْ ۔ (ص ۔۱) — کہ چلو اور اپنے خداؤں پر صبر کرو (یعنی مضبوطی کے ساتھ قائم رہو)

قرآن پاک میں صبر کا لفظ اسی ایک معنی میں مستعمل ہوا ہے، گو حالات کے تغیر سے اس کے مفہوم میں کہیں کہیں ذرا ذرا فرق پیدا ہو گیا ہے، بااین ہمہ ان سب کا مرجع ایک ہی ہے، یعنی ثبات قدمی اور استقامت، صبر کے یہ مختلف مفہوم جن میں قرآن پاک نے اسکو استعمال کیا ہے حسب ذیل ہیں:

۱۔ تکلیف اٹھا کر اور اپنے مقصد پر جم کر وقت کا انتظار کرنا،

فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ — (اے رسول) تو اپنے پروردگار کے

بِاَعْیُنِنَا ۔ (طور ۔۲) — فیصلہ کا ثابت قدم رہ کر منتظر رہ، کیونکہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے،

فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ بَیْنَنَا ۔ (اعراف ۔۱۱) — تو ثابت قدم رہ کر منتظر رہو، یہانتک کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کرے،

وَاصْبِرْ حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ ۔ (یونس ۔۱۱) — اور ثابت قدم رہ کر منتظر رہ، یہانتک کہ خدا فیصلہ کرے، وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں بہتر ہے،

عرب گنوار آنحضرت صلعم کے حجرہ کے سامنے آکر زور زور سے آپ کو پکارتے تھے، ان سے کہا گیا

وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ۔ (حجرات ۔۱) — اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم (اے رسول) نکل کر ان کے پاس آتے، تو ان کے لئے اچھا تھا،

رسول اللہ صلعم کو بھی حکم خداوندی یہی ہوتا ہے، کہ مشکلات پر ثابت قدم رہ کر، کامیابی کا انتظار کرو،

فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَۃَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ (ھود ۔۴) — صبر کرو بےشبہ آخرکار کامیابی پرہیزگاروں ہی کی ہے،

اس انتظار کی کشمکش کی حالت میں جب ایک طرف حق کی بیکسی، بیچارگی اور بےبسی پاؤں کو ڈگمگا رہی ہو اور دوسری طرف باطل کی عارضی شورش، اور ہنگامی غلبہ دلوں کو کمزور کر رہا ہو، حق پر قائم رہ کر اس کی کامیابی کی پوری توقع رکھنی چاہئے،

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ (روم ۔ مومن ۶ ۔۶) ثابت قدمی کیساتھ منتظر رہ، بیشک خدا کا وعدہ سچا ہے،

ایسا نہ ہو کہ وعدۂ الٰہی کے ظہور میں اگر ذرا دیر ہو تو مشکلات سے گھبرا کر حق کا ساتھ چھوڑ دو، اور باطل کے گروہ میں مل جاؤ،

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ۔ (دھر-۲)

اپنے پروردگار کے فیصلہ کا ثابت قدمی سے منتظر رہ، اور ان (مخالفین میں) سے کسی گنہگار یا کافر کا کہنا نہ مان لے،

آنحضرت صلعم کو حضرت یونس علیہ السّلام کا قصہ سنایا گیا کہ ان کو خیال ہوا کہ ان کی نافرمان قوم پر عذاب آنے میں تاخیر ہو رہی ہے، اس لئے وہ بھاگ کھڑے ہوئے، حالانکہ ان کی قوم دل میں مسلمان ہو چکی تھی، اس لئے وہ عذاب اس سے ٹل گیا تھا، اور ارشاد ہوا کہ اے پیغمبر اس طرح تیرے ہاتھ سے صبر کا سررشتہ چھوٹنے نہ پائے،

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۔ (ن-۲)

اپنے پروردگار کے فیصلہ کا ثابت قدمی کیساتھ انتظار کر، اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہو

۲- قرآن پاک میں صبر کا دوسرا مفہوم یہ ہے، کہ مصیبتوں اور مشکلوں میں اضطراب اور بیقراری نہ ہو، بلکہ ان کو خدا کا حکم، اور مصلحت سمجھ کر خوشی خوشی جھیلا جائے، اور یہ یقین رکھا جائے کہ جب وقت آئیگا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خود ان کو دور فرما دیگا، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مدح فرمائی،

وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ ۔ (ج ۵) اور جو مصیبت میں صبر کریں،

حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹوں سے یہ جھوٹی خبر سنکر کہ بھیڑیے نے حضرت یوسف علیہ السّلام کو کھا لیا، فرماتے ہیں،

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۔ (یوسف-۲)

بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے تو بہتر صبر ہے، اور خدا سے اس پر مدد چاہی جاتی ہے، جو تم بیان کرتے ہو،

پھر اپنے دوسرے بیٹے کے مصر میں روک لئے جانے کا حال سنکر کہتے ہیں،

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۔ (یوسف-۱۰)

بلکہ تمہارے دلوں نے گھڑ لیا ہے، تو بہتر صبر ہے، عنقریب خدا اُن سب کو ساتھ لائے گا،

حضرت ایوب علیہ السّلام نے جسمانی اور مالی مصیبتوں کو جس رضا و تسلیم کے ساتھ پامردی سے برداشت کیا، اس کی مدح خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی،

إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۔ (ص-۴)

ہم نے بیشک ایوب کو صابر پایا، کیسا اچھا بندہ، وہ خدا کی طرف رجوع ہونے والا تھا،

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام اپنے شفیق اور مہربان باپ کی چھری کے نیچے اپنی گردن رکھکر فرماتے ہیں،

يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۔ (صافات-۳)

اے باپ جو تجھے کہا جاتا ہے وہ کر گذر، خدا نے چاہا تو تو مجھے صابروں میں پائے گا،

۳- صبر کا تیسرا موقع یہ ہے کہ منزلِ مقصود کی راہ میں جو مشکلیں اور خطرے پیش آئیں دشمن جو تکلیفیں پہنچائیں، اور مخالفین جو طعن و طنز کریں، ان میں کسی چیز کو خاطر میں نہ لایا جائے اور اُن سے بد دل اور پست ہمت ہونے کے بجائے، اور زیادہ استقلال اور استواری پیدا ہو، بڑے بڑے کام کرنے والوں کی راہ میں یہ روڑے اکثر اٹکائے گئے، مگر انھوں نے استقلال اور

مضبوطی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے، آنحضرت صلعم کو اسی لئے دوسری وحی میں جب تبلیغ اور دعوت کا حکم ہوا، تو ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی آپ کو باخبر کر دیا گیا،

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (مدثر-۱)

اے چادر پوش! اٹھ اور لوگوں کو ہشیار کر ۔ ۔ ۔ ۔ اور اپنے پروردگار کے لئے پامردی (صبر) کر،

اس قسم کے مواقع اکثر انبیاء علیہم السلام کو پیش آئے، چنانچہ خود آنحضرت صلعم کو نبوت کی اس اعلیٰ مثال کی پیروی کا حکم ہوا،

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (احقاف-۴)

(اے محمد!) تو بھی اسی طرح پامردی کر جس طرح پختہ ارادہ والے پیغمبروں نے کی اور ان (مخالفوں) کے لئے جلدی نہ کر،

حضرت لقمان کی زبان سے بیٹے کو یہ نصیحت سنائی گئی کہ حق کی دعوت اور تبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض پوری استواری سے ادا کر، اس راہ میں جو مصیبتیں پیش آئیں ان کا مردانہ وار مقابلہ کر،

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (لقمان-۲)

نیکی کا حکم کر اور برائی سے روک اور جو مصیبت پیش آئے اس کو برداشت کر، یہ بڑی پختہ باتوں میں سے ہے،

کفار جو عذاب الٰہی کے جلد نہ آنے، یا حق کی ظاہری بے کسی و بے بسی کے سبب سے آنحضرت صلعم کو اپنے دلدوز طعنوں سے تکلیفیں پہنچاتے تھے، حکم ہوا کہ ان طعنوں کی پروا نہ کر، اور نہ ان سے دل کو اداس کر، بلکہ اپنے دھن میں لگا رہ، اور دیکھ کہ تجھ سے پہلے پیغمبروں نے کیا کیا،

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ (ص-۲)

ان کے کہے پر صبر کر، اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کر،

اس قوت صبر کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ خدا سے لو لگایا جائے، اور اس کی طاقت پر بھروسہ کیا جائے،

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ الآیہ (طٰہٰ ۸ و ق-۳)

تو ان کے کہے پر صبر کر، اور صبح شام خدا سے دعا کر،

نہ صرف یہ کہ مخالفوں کے اس طعن و طنز کا دھیان نہ کیا جائے، بلکہ اس کے جواب میں ان سے لطف و مروت برتا جائے، فرمایا،

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا (مزمل-۱)

ان کے کہے پر صبر کر، اور ان سے خوبصورتی سے الگ ہو جا،

۴- صبر کا چوتھا مفہوم یہ ہے کہ برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز کیا جائے، اور جو بدخواہی سے پیش آئے، اور تکلیفیں دے، اس کے قصور کو معاف کیا جائے یعنی تحمل، اور برداشت میں اخلاقی پامردی دکھانا، قرآن پاک کی کئی آیتوں میں صبر اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے، ارشاد ہوتا ہے،

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ، وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ

اور اگر تم سزا دو تو اسی قدر جس قدر تم کو تکلیف دی گئی، اور البتہ اگر صبر (برداشت) کرو تو صبر کرنے والوں کے لئے یہ بہتر ہے، اور تو صبر کر اور تیرا صبر کرنا نہیں، لیکن خدا کی مدد سے، اور ان کا غم نہ کر، اور نہ

مِمَّا يَمْكُرُوْنَ ، (نحل - ۱۶)

اور نہ ان کی سازشوں سے دل تنگ ہو،

یہ صبر کی وہ قسم ہے جو اخلاقی حیثیت سے بہت بڑی بہادری ہے، مسلمانوں کو اس بہادری کی تعلیم بار بار دی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہ صبر برداشت کمزوری سے یا دشمن کے خوف سے یا کسی اور سبب سے نہ ہو، بلکہ صرف خدا کے لئے ہو،

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ
رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ،
(رعد - ۳)

اور جنھوں نے اپنے پروردگار کی ذات
کے لئے صبر کیا، اور نماز کھڑی کی، اور جو
ہم نے ان کو روزی دی اس میں سے
چھپے اور علانیہ (راہِ خدا میں) خرچ
کیا اور برائی کو نیکی سے دفع کرتے ہیں
ان کے لئے آخرت کا انجام ہے،

فرشتے ان کو مبارکباد دیں گے اور کہیں گے،

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ
عُقْبَى الدَّارِ ، (رعد - ۳)

تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا تھا،
تو آخرت کا انجام کیسا اچھا ہوا،

ایک خاص بات اس آیت میں خیال کرنے کے لائق ہے، کہ اس کے شروع میں چند نیکیوں کا ذکر ہے، صبر، نماز، خیرات، برائی کی جگہ بھلائی، مگر فرشتوں نے اس مومن کے جس خاص وصف پر اس کو سلامتی کی دعا دی، وہ صرف صبر یعنی برداشت کی صفت ہے کیونکہ یہی اصل ہے، جس میں یہ جوہر ہوگا، وہ عبادات کی تکلیف بھی اٹھائیگا، مصیبتوں کو بھی جھیلے گا، اور دشمنوں کی بدی کا جواب نیکی سے بھی دیگا، چنانچہ ایک اور آیت میں اسکی تشریح بھی کر دی گئی ہے، کہ درگذر اور بدی کے بدلہ نیکی کی صفت اسی میں ہوگی جس میں صبر ہوگا،

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ
بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ
وَلِيٌّ حَمِيْمٌ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ
صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ
عَظِيْمٍ ، (فصلت - ۵)

بھلائی اور برائی برابر نہیں، برائی کا
جواب اچھائی سے دو، تو یکبارگی جس
کے اور تمھارے درمیان دشمنی ہے،
وہ قریبی دوست سا ہو جائیگا، اور
یہ بات اسی کو ملتی ہے جو صبر کرتے ہیں
اور یہ اسی کو ملتی ہے، جو بڑی قسمت والا ہے

جو لوگوں پر ظلم کرتے پھرتے ہیں، اور ملک میں ناحق فساد برپا کرتے رہتے ہیں، ان پر خدا کا عذاب ہوگا، اسلئے ایک صاحبِ عزم مسلمان کا فرض یہ ہے کہ دوسرے اس پر ظلم کریں تو وہ بہادری سے اس کو برداشت کرے، اور معاف کر دے، فرمایا،

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ
النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ
ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ، (شوریٰ ۴)

راستہ انھیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے
ہیں، اور ملک میں ناحق فساد کرتے
ہیں، یہی ہیں، جن کے لئے پردرد عذاب
ہے، اور البتہ جس نے برداشت کیا، اور
بخش دیا، بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے

۵- صَبْر کا پانچواں اہم مفہوم لڑائی پیش آجانے کی صورت میں میدان جنگ میں بہادرانہ استقامت اور ثابت قدمی ہے، قرآن پاک نے اس لفظ کو اس مفہوم میں بارہا استعمال کیا ہے، اور ایسے لوگوں کو جو اس وصف سے متصف ہوئے، صادق القول اور راستباز ٹھہرایا ہے، کہ انھوں نے خدا سے جو وعدہ کیا تھا پورا کیا، فرمایا،

وَالصّٰبِرِيْنَ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

اور صبر کرنے والے ثابت قدمی دکھانے

وَحِينَ الْبَأْسِ أُولٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (بقرہ ۔ ۲۲)

والے) مصیبت میں اور نقصان میں اور لڑائی کے وقت، وہی ہیں جو سچ بولے اور وہی پرہیزگار ہیں،

اگر لڑائی آپڑے تو اس میں کامیابی کی چار شرطیں ہیں، خدا کی یاد، امام وقت کی اطاعت، آپس میں اتحاد و موافقت، اور میدانِ جنگ میں بہادرانہ صبر و استقامت،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ، (انفال ۔ ۶)

اے ایمان والو! جب تم کسی دستہ سے مقابل ہو تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کو بہت یاد کرو، تاکہ فلاح پاؤ، اور خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تم سست ہو جاؤگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی، اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کیساتھ ہے،

حق کے مددگاروں کی مادی قلتِ تعداد کی تلافی اسی صبر و ثبات کی روحانی قوت سے ہوتی ہے، تاریخ کی نظر سے یہ مشاہدے اکثر گذرے ہیں کہ چند مستقل مزاج ثابت قدم بہادروں نے فوج کی فوج کو شکست دیدی ہے، اسلام نے یہ نکتہ اسی وقت اپنے جان نثاروں کو سکھادیا تھا جب ان کی تعداد قلیل تھی اور دشمنوں کی کثرت تھی،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا

اے پیغمبر! ایمان والوں کو (دشمنوں کی) لڑائی پر ابھار، اگر بیس صبر والے (ثابت قدم) ہوں تو دو سو پر غالب ہونگے اور

مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ، الْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا، فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ، (انفال ۔ ۹)

اور اگر سو ہوں تو کافروں میں سے ہزار پر غالب ہونگے، کیونکہ وہ لوگ سمجھتے نہیں اب اللہ نے تم سے تخفیف کردی، اور اس کو معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے، تو اگر سو صبر والے (ثابت قدم) ہوں تو دو سو پر غالب ہونگے، اور اگر ہزار (صبر والے) ہوں تو دو ہزار پر خدا کے حکم سے غالب ہونگے، اور اللہ صبر کرنے والوں (ثابت قدموں) کے ساتھ ہے،

میدانِ قتال و کارزار میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی تعداد کی قلت کی پروا نہ کریں، اور صبر و ثباتِ قدم کے ساتھ اپنے سے دوچند کا مقابلہ کریں، اور تسلی دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد انھیں لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو صبر اور ثبات قدم سے کام لیتے ہیں، حضرت طالوت اور جالوت کے قصہ میں بھی اسی نکتہ کو ان لفظوں میں ادا کیا گیا ہے،

قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللّٰهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ

طالوت کے ساتھیوں نے کہا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کی فوج کے مقابلہ کی طاقت نہیں، انھوں نے جن کو خیال تھا کہ خدا سے ملنا ہے، یہ کہا کہ بسا اوقات تھوڑی تعداد کے لوگ خدا کے حکم سے بڑی تعداد کے لوگوں پر غالب آئے ہیں،

قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ ۵ - ۳۳)

اور خدا صبر و ثبات قدم دکھانے والوں کے ساتھ ہے، اور جب یہ جالوت اور اسکی فوج کے مقابلہ میں آئے، تو بولے اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر بہا، اور ہمکو ثابت قدمی بخش، اور ان کافروں کے مقابلہ میں ہمکو نصرت عطا فرما،

اللہ تعالیٰ نے کمزور اور قلیل تعداد مسلمانوں کی کامیابی کی بھی یہی شرط رکھی ہے، اور بتا دیا ہے کہ خدا انھیں کا ہے، جو صبر اور ثبات قدم سے کام لیتے ہیں، اور خدا کے بھروسہ پر مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں،

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا (نحل - ۱۴)

پھر تیرا پروردگار ان کے لئے ہے جنھوں نے آزمائے جانے کے بعد گھر بار چھوڑا، پھر لڑتے رہے، اور صبر و ثبات کیساتھ ٹھہرے رہے،

دنیا کی سلطنت و حکومت ملنے کے لئے بھی اسی صبر و استقامت کے جوہر پیدا کرنے کی ضروری شرط ہے، بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکلنے کے بعد اطراف ملک کے کفار سے جب مقابلہ آپڑا، تو حضرت موسیٰ نے ان کو پہلا سبق یہ سکھایا،

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ، (اعراف - ۱۵)

موسیٰ نے اپنے لوگوں سے کہا کہ خدا سے مدد چاہو اور صبر و استقامت سے کام لو بیشک زمین خدا کی ہے، وہ جسکو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بناتا ہے، اور انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے،

(باقی)

سندھ کے اسلامی حملوں کے قیدی

جو

عرب جاکر ابھرے[۱]

از

سید ریاست علی ندوی

سندھ، ہندوستان میں سب سے پہلا اسلامی ملک ہے، اس پر مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری کے اخیر میں قبضہ کیا، اس قبضہ کے وقت جو قیدی گرفتار ہوکر عرب لیجائے گئے، ان میں سے بعض نے آزاد ہوکر ملک عرب میں توطن اختیار کر لیا، اور وہ علمی و سیاسی و ملکی مرتبے حاصل کئے جو خود فاتح قوم کو حاصل تھے،

ذیل میں چند ایسے ہی سندھی غلاموں کے حالات پیش ہیں، جو سندھ کے اسلامی حملوں میں گرفتار کرکے عرب لیجائے گئے، اور وہاں انھوں نے یا ان کی اولاد نے علوم و فنون میں کمال حاصل کیا، اور بڑے بڑے علما، و ائمہ انکی مسند درس سے فیضیاب ہوکر اوٹھے،

"السندی"

عرب میں "سندھی" کو السندی کہتے ہیں، سمعانی لکھتا ہے کہ هٰذہ النسبة الی السند وھی من بلاد الھند، یہ نسبت سندھ کی طرف ہے، جو ہندوستان کے شہروں میں سے ہے،

[۱] یہ مضمون سندھی زبان کے روزنامہ "ستارۂ سندھ" (سکھر) کے خاص نمبر کیلئے لکھا گیا،

عربوں کو یہ انتساب اتنا بھایا کہ انھوں نے اپنے بچوں کے نام بھی السندی رکھے، جیسے السندی بن شاہک، یا شیخ ابو بکر اسفرائینی کے جد اعلیٰ کا نام السندی تھا، اسی طرح بعض لوگوں کا لقب "السندی" قرار پایا، جیسے ابن عبد ویہ رازی السندی کے لقب سے مشہور ہوئے، پھر بعد میں ان کی اولاد اپنے جد اعلیٰ کی نسبت سے بھی السندی کہلائی،[1]

اسلئے عربی تاریخوں اور رجال کی کتابوں میں جن لوگوں کے نام السندی کے انتساب سے نظر آئیں، ان کے لئے ضروری نہیں کہ وہ سندھ ہی کے رہنے والے ہوں اور اس لئے ذیل میں صرف انہی میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے جنکے سندھ کی طرف منسوب ہونیکی تصریح مل چکی ہے،

ابو معشر سندھی

ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن دوسری صدی ہجری میں حدیث کے مشہور راویوں میں ہیں، اپنے وطن سندھ کے انتساب سے "السندی" اور جاے قیام کے لحاظ سے مدنی کہے گئے،

یہ کسی جنگ میں گرفتار کر کے حجاز لیجائے گئے، اور وہاں فروخت کئے گئے، یہاں تک کہ ام موسیٰ بنت منصور نے انھیں خرید، پھر بنو ہاشم کی میراث میں آئے، کچھ دنوں کے بعد نیم آزاد ہوئے، اور بنو مخزوم کی ایک عورت کے مکاتب بنے، اور پھر مقررہ رقم ادا کرنے کے بعد آزاد ہو گئے،

یہ جس خاندان میں رہے، اسمیں علوم و فنون کی تحصیل کرتے رہے، ان کے آقاؤں نے ان کی تحصیل علم میں مدد دی، یہانتک کہ ممتاز علماء میں گنے گئے، اور ایسا علمی مرتبہ حاصل کیا کہ لوگوں کو ان کے عرب ہونے کا دھوکا ہوا، اور خود ان کی حیات میں لوگوں میں ان کے عرب و غیر عرب ہونے کی بحث چھڑ گئی، چنانچہ بعض لوگوں نے انھیں یمنی بتایا، لیکن جب انھوں نے سنا تو فوراً اسکی تردید کی، اور کہا:-

[1] کتاب الانساب سمعانی ورق ۴۰ و کتاب الانساب مقدسی ۹۰،

"بنو ہاشم کے غلاموں میں ہونا میرے نزدیک زیادہ محبوب اور لائق فخر ہے، اس سے کہ میرا نسب بنو حنظلہ میں ہو"

اسکے بعد خطیب بغدادی نے انکے صاحبزادے محمد بن ابی معشر کا یہ قول نقل کیا ہے:-

"ابو نعیم نے کہا کہ ہم سے فضل بن ہارون بغدادی بیان کرتے تھے، کہ میں نے محمد بن ابو معشر سے سنا وہ کہتے تھے، کہ میرے والد سندھی تھے"

ابو معشر سندھی، علم حدیث، مغازی، اور فقہ میں خاص درک رکھتے تھے،

ان کے شیوخ حدیث میں محمد بن کعب قرظی، سعید بن ابی سعید مقبری، ابو بردہ بن ابی موسیٰ، ہشام بن عروہ، موسیٰ بن بشار، نافع، ابن منکدر، اور محمد بن قیس وغیرہ ہیں،:-

جامع ترمذی میں ان کی روایت موجود ہے، ان روایتوں میں ان کے شیخ کا نام سعید آیا ہے، گمان تھا کہ وہ سعید بن مسیب ہیں، چنانچہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اسی بنا پر سعید بن مسیب کو بھی ان کے شیوخ حدیث میں شمار کیا ہے، لیکن ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انکے سعید بن مسیب سے روایت کرنے کی تردید کی ہے، اور جامع ترمذی میں انکے شیخ کا جو نام سعید آیا ہے، اسے سعید مقبری قرار دیا ہے،

ان کے تلامذہ میں بھی جلیل القدر علماء و ائمہ کے نام آتے ہیں، چنانچہ محمد بن ابی معشر، عبد الرزاق، ابو نعیم، محمد بن بکار، منصور بن ابی مزاحم، لیث بن سعد، عبد اللہ بن ادریس، ہشیم، ابن مہدی، ابو نصر ہاشم بن قاسم، وکیع، ہوذہ بن خلیفہ، عثمان بن عمرو، محمد بن سوار، محمد بن عمر واقدی، ابو ضمرہ، سعید بن منصور، عاصم بن علی، ابو زمیع زہرانی اور فن حدیث و فقہ کے مشہور امام سفیان ثوری انکے تلامذہ میں ہیں،

ائمہ فن نے ان کے علمی مرتبہ کا اعتراف کیا ہے، اگرچہ حافظہ کسی قدر کمزور ہو گیا تھا، اسلئے محتاط محدثین نے ان کی روایتیں اخذ کرنے میں احتیاط کی، بلکہ کہا گیا ہے، کہ یہ صورت حال آخر عمر میں پیدا ہوئی تھی،

علامہ ذہبی ان کے متعلق کہتے ہیں:-

"وہ اپنے حافظہ کی کمزوری کے باوجود علم کے مخزن تھے"،

امام احمد بن حنبل فرماتے تھے،:-

"فن مغازی میں بصیرت رکھتے تھے، سچے تھے، لیکن سلسلۂ اسناد یاد نہ رکھ سکتے تھے"،

خطیب بغدادی کا بیان ہے:-

"فن مغازی کے بڑے واقف کاروں میں سے تھے"،

ابومعشر سندھی کے اس علم و فضل کے باوجود ان کا تلفظ درست نہیں ہوا تھا، اور انکے تلفظ سے ان کے قدیم وطن کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، ابونعیم کہتے ہیں،:-

"ابومعشر سندھی تھے، اور ان کے عربی الفاظ کا تلفظ صحیح نہ تھا، وہ "حدثنا محمد بن قعب" کہتے"

اور قعب سے مراد کعب ہوتی"،

یہ جلیل القدر سندھی عالم اپنے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے جرح کا نشانہ بھی بنا، امام بخاری و مسلم نے اپنی صحیحین میں اسی باعث ان کی روایت نہیں لی، ابوداؤد اور نسائی نے بھی ان کی تضعیف کی، لیکن بقول علامہ ذہبی امام نسائی اپنی سنن میں ان کی روایت سے حجت لائے ہیں، اور امام ترمذی نے ان کی حدیثیں درج کی ہیں، مگر تصریح کر دی ہے، کہ بعض اہل علم نے ان کے حافظہ پر کلام کیا ہے، امام احمد بن حنبل انکی حدیثیں لکھ لیتے تھے، مگر ضعف اسناد کی وجہ سے انکی روایت نہ کرتے تھے، اسی طرح یحییٰ بن معین اور دوسرے ائمۂ فن میں سے بعض نے انکے اسناد ہی کے لحاظ سے ان کی حدیثوں کو ضعیف کہا ہے،

انکی تکذیب میں بجز ایک غیر معروف روایت کے اور کسی کا قول موجود نہیں، وہ روایت ابوجزا نصر بن طریف کی ہے، مگر دوسرے اہل علم نے یہ روایت بیان کرکے اسکی تردید کر دی ہے،

یہی وجہ ہے کہ ائمۂ ثقات ان کی قوت حافظہ کے کمزور ہونے کے باوجود ان کی روایتیں قبول کر لیتے تھے، کیونکہ انھیں یقین تھا کہ ان کا حافظہ متن حدیث کی یادداشت میں کمزور نہیں، صرف سلسلۂ اسناد میں

غلطیاں ہو جاتی تھی، مگر انہیں بھی وہ جان بوجھ کر غلط بیانی نہ فرماتے تھے، جو سند روایت کرتے اُسے صحیح اور حق جان کر بیان کرتے، چنانچہ ابن عدی کہتا ہے:-

"ان سے ثقات نے روایت کی ہے، اور ان کے ضعیف ہونے کے باوجود ان کی حدیثیں لکھ لی جاتی تھیں"،

خلیلی کا بیان ہے:-

ابومعشر کو علم (دین) اور تاریخ میں ایک مقام حاصل تھا، ائمہ ان کی تاریخی روایتیں قبول کرکے ان سے حجت لائے ہیں، اور حدیث کی روایتوں میں انکی تضعیف کی ہے،

علم حدیث کے علاوہ فن مغازی کے امام مانے گئے ہیں، اون کی تصنیفات میں اون کی کتاب المغازی شہرت رکھتی ہے، مختلف لوگوں نے اسکی روایت کی ہے، مولانا شبلی مرحوم نے مقدمۂ سیرۃ میں ان کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے،:-

"ابومعشر نجیح المدنی (۱۷۰ھ) ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے، ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے، گو محدثین نے روایت حدیث میں ان کی تضعیف کی ہے، لیکن سیرت و مغازی میں اون کی جلالت شان کا اعتراف کیا ہے، امام احمد بن حنبل کہتے ہیں، کہ وہ اس فن میں صاحب نظر ہیں، ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے، کتب سیرت میں اون کا نام کثرت سے آتا ہے"، (جلد ۱ ص ۲۲)

ابومعشر کا رنگ گندم گون اور جسم فربہ تھا، خلیفہ مہدی ان کے علم و فضل کا قدردان تھا، اوس سے انکی انسیت کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی، کہ انکی ماں کے جو ام موسیٰ بنت منصور کے نام سے مشہور ہے، غلام رہ چکے تھے، وہ ۱۶۰ھ میں انھیں اپنے ساتھ مدینہ سے عراق لایا، اور پھر ۱۶۱ھ میں بغداد میں لاکر ٹھہرایا، اور علم و تعلیم کی خدمت انکے سپرد کی، اور انھوں نے یہیں مستقل قیام اختیار کیا،

وفات سے دو سال پیشتر حواس میں کچھ فرق آگیا تھا، رمضان ۱۷۰ھ میں وفات پائی، خلیفہ ہارون رشید نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور بغداد کے مقبرہ کبیر میں یہ فخر سندھ مدفون ہوا[1]،

ابو عبدالملک محمد بن ابو معشر سندھی،

ابو عبدالملک محمد، ابو معشر سندھی کے لائق صاحبزادے تھے، اور اپنے عہد کے ممتاز اہل علم میں تھے، خلیفہ مہدی انھیں بھی مدینہ منورہ سے بغداد لے آیا تھا، علم حدیث سے انھیں بھی مناسبت تھی، یہاں ابن ابی ذیب، اور ابو بکر ہذلی سے ملنا ثابت ہے، اپنے والد کی کتاب المغازی ان سے روایت کی ہے، ان کے تلامذہ میں ان کے صاحبزادے داؤد اور حسن ان سے روایت کرتے ہیں، ان کے علاوہ ابو حاتم محمد بن ادریس رازی، محمد بن لیث جوہری، اور ابو یعلی موصلی نے ان کی روایت کی ہوئی حدیثیں بیان کی ہیں، ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے،

انھوں نے ۹۹ سال کی عمر میں ۲۴۴ھ میں وفات پائی،

امام اوزاعی

شیخ الاسلام عبدالرحمن بن عمرو امام اوزاعی ان ائمہ اسلام میں ہیں، جو فقہ کے ایک مذہب کے بانی ہیں، اور شام اور اندلس میں زمانۂ دراز تک انکے پیرؤوں کی کثیر تعداد موجود رہی، فقہ کی تاریخ و خلافیات میں آجتک یہ مذہب معلوم و مشہور ہے،

امام اوزاعی ۸۸ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۵۶ھ میں وفات پائی، یہ نسلاً سندھی تھے، علامہ ذہبی

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۱۲ و تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۹ کتاب الانساب سمعانی ورق ۳۱۳، تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱۳ ص ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹ ـ [2] کتاب الانساب سمعانی ورق ۳۱۳ و تاریخ خطیب بغدادی جلد ۳ ص ۳۲۶

اور ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں،:-

وکان اصلہ من سبأ السند ان کا خاندان سندھ کے قیدیوں میں سے تھا،

امام اوزاعی دمشق کے کسی گاؤں میں پیدا ہوئے، اور آخر عمر میں بیروت میں قیام فرمایا، ان کے شیوخ و تلامذہ کی لمبی فہرست ہے جنھیں چند مشہور کا برحسب ذیل ہیں:-

شیوخ میں عطاء بن ابی رباح، قتادہ، شداد، نافع مولی، عمر زہری، اور محمد بن سیرین وغیرہ ہیں، اور تلامذہ میں مالک، شعبہ، ثوری، ابن مبارک اور یحیی بن سعید قطان وغیرہ ہیں، پھر انکے شیوخ میں سے امام زہری یحیی بن کثیر اور قتادہ وغیرہ نے بھی ان سے روائتیں کیں،

ان کے علم و فضل کے بیان میں ائمہ فن کی بڑی روائتیں ہیں، ابن مہدی کہتے ہیں:-

"حدیث کے چار امام ہیں، اوزاعی، مالک ثوری، اور حماد بن زید اور شام میں سنت کا جاننے والا اوزاعی سے بڑھ کر کوئی نہ تھا"

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:-

ایک مرتبہ سفیان ثوری اور اوزاعی امام مالک کے پاس پہنچے، جب وہ واپس گئے، توانھوں نے فرمایا، "ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے علم میں زیادہ ہے، لیکن ان میں کا پہلا (یعنی ثوری علوم و مذہب کی) امامت کی اہلیت نہیں رکھتا، اور دوسرا (یعنی اوزاعی) امام بننے کی صلاحیت رکھتا ہے"؛

ابو اسحاق فزاری کہتے ہیں:-

میں نے ان دونوں شخصوں اوزاعی اور ثوری کے مثل کسی کو نہیں پایا، ان میں سے اوزاعی شخصیت عامہ کے مالک ہیں، اور ثوری شخصیت خاص رکھتے ہیں، اگر میں اس امت کیلئے کسی

کو چنتا تو وہ اوزاعی ہوتے"

اسی طرح عبداللہ بن مبارک کا ارشاد ہے:۔

"اگر مجھ سے کہا جاتا کہ اس امت کیلئے کسی کو منتخب کروں تو میں ثوری اور اوزاعی کو منتخب کرتا
اور پھر ان دونوں میں سے اوزاعی کو چن لیتا"

امام اوزاعی کی ساری زندگی علم و دین کی خدمت میں گذری، دنیاوی جاہ و حشم سے نفور رہے، قضاءت
پیش کیگئی، مگر قبول کرنے سے انکار کر دیا،

خلیفہ منصور نے بنو امیہ کے قتل عام پر اون کی رائے پوچھی، حق بات منہ سے کہہ دی، منصور نے بحث
کی، امام اوزاعی نے اسے اپنے دلائل سے لاچار کر دیا، تو غیظ و غضب سے اسکی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہوگئیں
اور غصہ میں مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا،

دربار خلافت سے نکل کر کچھ دور پہنچے تھے، کہ پیچھے سے ایک سوار تعاقب کرتا ہوا آتا دکھائی دیا، یہ سمجھے
کہ سر لینے آرہا ہو، وہیں کھڑے ہو کر دوگانہ کی نیت باندھ لی، کہ آخر دم سجدۂ شکر ادا کر لیں، جب سلام پھیرا تو
شاہی سوار نے دیناروں کی تھیلی نذر کی، اونھوں نے اوسے قبول کر لیا، مگر گھر پہنچنے سے پہلے راستہ ہی
میں سب کو خیرات کر دیا،

امام اوزاعی اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہما اللہ دونوں ہمعصر تھے، امام اعظم بھی ان کی قدر فرماتے تھے اور
ان کے علم کے معترف تھے،

امام اوزاعی کی وفات حمام میں نادانستہ آگ سے جل کر ہوئی، سال وفات میں اختلاف ہے، مورخین
عموماً ۱۵۷ھ کی روایت زیادہ لکھتے ہیں[1]

مذہب اوزاعی دو تین صدیوں تک شام و اندلس میں باقی رہا،

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۰، و تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۳۸،

حافظ ابو محمد خلف بن سالم سندھی

ابو محمد خلف بن سالم مخاطب بہ محمود سندھی حدیث کے مشہور حافظوں میں تھے، یہ سندھ سے عرب
لیجائے گئے، اور آل مہلب کے غلام بنے، پھر علوم کی تحصیل کی، اور علم حدیث میں نام پیدا کیا، بغداد کے محلہ مخرم
میں قیام تھا، اس نسبت سے مُخرمی بھی کہلائے،

خطیب لکھتا ہے:۔

"خلف بن سالم ابو محمد مخرمی مہالبہ کے موالی میں تھے، اور یہ سندھی تھے"

ذہبی کا بیان ہے:۔

"خلف بن سالم حافظ محمود ابو محمد سندھی مولیٰ آل مہلب بغداد کے اعیان حفاظ حدیث
میں تھے"

ابن حجر نے بھی انھیں السندی البغدادی الحافظ لکھا ہے،

ان کے شیوخ حدیث میں حسب ذیل محدثین ہیں جن سے انھوں نے روایتیں لیں، ہشیم ابن بشیر،
یحیی بن سعید قطان، عبد الرحمن بن مہدی، اسمٰعیل بن علیہ، سعد بن ابراہیم بن سعد، یعقوب بن ابراہیم، معن بن
عیسیٰ، ابو نعیم فضل بن دکین، محمد بن جعفر غندر، یزید بن ہارون، وہب بن جریر، عبد الرزاق بن ہمام اور ابن نمیر

تلامذہ میں اسمٰعیل بن ابی حارث، حاتم بن لیث، یعقوب بن شیبہ، احمد بن ابی خیثمہ، جعفر طیالسی، عباس
دوری، یعقوب بن یوسف مطوعی، حسن بن علی معمری، احمد بن حسن بن عبد الجبار صوفی، ابو القاسم بغوی، احمد بن
علی ابار، اور عثمان دارمی ہیں،

امام احمد بن حنبل، یحیی بن معین، مسدد، حمیدی، یعقوب بن شیبہ اور حمزہ کنانی نے ان کی توثیق کی ہے
امام نسائی نے اپنی سنن میں بیک واسطہ ان کی روایت درج کی ہے، ابن حبان نے بھی انھیں ثقات میں

جگہ دی ہے،

نہایت سادہ دل تھے، اور مختلف علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے

یوم دوشنبہ ۲۲ رمضان ۲۳۱ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں بغداد میں وفات پائی[1]

ابو العباس فضل بن سکین بن سخیت سندھی،

ابو العباس فضل بن سکین بن سخیت سندھی قطیعی معروف بہ سندی بھی حدیث کے مشہور راویوں میں ہیں، صالح بن بیان ساحلی اور احمد بن محمد رملی سے حدیث روایت کی اور ان سے محمد بن موسی بن حماد بربری، ابو یعلی موصلی ابراہیم بن عبداللہ مخرمی اور محمد بن محمد باغندی روایت کرتے ہیں،

یحیی بن معین نے ان پر جرح کی ہے، ان کے سلسلۂ سند سے عبدالرزاق راوی سے بھی بعض حدیثیں بیان کیجاتی ہیں، لیکن یحیی بن معین نے اسکی تردید کی ہے،[2]

ابو نصر فتح بن عبداللہ سندھی

ابو نصر فتح بن عبداللہ سندھی آل حکم کے موالی میں تھے، جنھوں نے انھیں آزاد کردیا، انھوں نے مختلف علوم فقہ و کلام وغیرہ میں مہارت حاصل کی، فقہ کی تحصیل ابو علی ثقفی سے کی تھی، اور حدیث کی روایت حسن بن سفیان وغیرہ سے کی، اور فقیہ و متکلم کا لقب پایا، اور دینی و علمی مرتبہ ایسا حاصل کیا کہ تلامذہ و معتقدین کا گروہ ان کا حلقہ بگوش رہتا،

انھیں اپنے ہندوستانی مسلمان ہونے پر فخر تھا، حافظ ابو عبداللہ نے انکا ایک واقعہ بیان کیا ہے جسے

---

[1] تاریخ خطیب بغدادی جلد ۹ ص ۳۰۹ و تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۷۵، تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۵۲، [2] تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱۲ ص ۳۶۴ و لسان المیزان جلد ۴ ص ۴۴۲،

سمعانی اور مقدسی نے بروایت مسلسل نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں،:-

ایک مرتبہ میں شیخ ابو نصر سندھی کے ساتھ جا رہا تھا، انکے معتقدین و تلامذہ کا ایک مجمع ان کے پیچھے تھا، راہ میں ایک عرب نشہ میں چور زمین پر پڑا دکھائی دیا، ابو نصر کو اس شان سے جاتے دیکھکر اوس نے بدمستی میں بعض نا ملائم الفاظ کہکر کہا،:-

"اے غلام ذرا مجھے دیکھ میں زمین پر پڑا ہوں، اور تو معتقدین کا ایک گروہ ساتھ لئے شان سے جا رہا ہے"؛

شیخ ابو نصر نے اسے یہ برجستہ جواب دیا،:-

"اے شریف زادے! جانتے ہو یہ ایسا کیوں ہوا؟ بات یہ ہو کہ ہم تمھارے اجداد کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، اور تم میرے باپ داداؤں کے پیچھے ہوئے"[1]

ابو العطا سندھی

ابو العطا، سندھی کا نام ہر عربی خوان نے سنا ہوگا، اس نے عربی ادب میں ایسا کمال پیدا کیا، کہ قادر الکلام عرب شعراء کے پہلو میں جگہ پائی، ابو تمام نے اپنی مشہور کتاب حماسہ میں اسے بھی جگہ دی ہے،

ابو عطاء سندھی کا نام افلح اور اس کے باپ کا نام یسار تھا، یسار مع اپنے لڑکے کے غلام بناکر سندھ سے عرب لیجایا گیا، اور بنو اسد کا غلام بنا، کوفہ میں قیام تھا، افلح کی ابتدائی نشو و نما کوفہ میں ہوئی، اسکے بعد وہ عنترہ بن سماک بن حصین اسدی کا غلام بنا،

جب افلح کی جودت طبع کے جوہر کھلے، اور شعر و شاعری کرنے لگا، تو اس کے آقا عنترہ بن سماک نے اسکے ذوق ادب کی قدر کرکے اسے آزاد کردیا، لیکن جب رفتہ رفتہ ملک میں اسکی قدر دانی ہوئی، اور صاحب ثروت

---

[1] کتاب الانساب سمعانی ورق ۱۲۴ کتاب الانساب مقدسی ص ۷۹،

ارباب ذوق اسکی شاعری کا اسے صلہ دینے لگے، اور معاشی حیثیت سے اس نے خاصی ترقی کرلی تو اسکے آقا عنترہ بن سماک کو لالچ پیدا ہوئی، اس نے نئے سرے سے اس کے غلام ہونے کا دعویٰ کیا، اب دشواری یہ تھی، کہ اس کا کوئی ثبوت نہ تھا کہ وہ واقعی آزاد ہو چکا ہے، یہ واقعہ اہل ادب و شعر کو ناگوار گذرا، ان لوگوں نے افلح کی حمایت کی، اور اس پر معاملہ طے کر دیا کہ وہ چار ہزار کے معاوضہ پر مکاتب بنالیا جائے، یعنی جب وہ چار ہزار ادا کردے، تو وہ آزاد ہو جائے، عنترہ نے یہ شرط منظور کرلی،

اس کے بعد افلح ایک ممتاز رئیس حربن عبداللہ قرشی کے پاس پہنچا، اور قصیدہ میں یہ صورت حال بیان کی، اس نے ادب نوازی کا ثبوت دیا، اور چار ہزار دے دئے، کہ جا کر اپنی گلوخلاصی کرائے، چنانچہ وہ رقم ادا کر کے آزاد ہو گیا، آزادی کے بعد اس نے عنترہ کی شان میں بڑی سخت ہجو لکھی، اور اس کے حرص کا اسے پورا مزہ چکھا دیا،

افلح کا باپ یسار تو آخر عمر تک عربی زبان صحیح طور پر نہ سیکھ سکا، صرف ٹوٹی پھوٹی زبان میں اپنا مفہوم ادا کرلیتا تھا، لیکن جیسا کہ گذرا افلح کو بچپن سے زبان سیکھنے کا موقع ملا، اور آگے چل کر ایسا قادر الکلام شاعر بنا، کہ اس کے آگے زبان داں عرب شرمانے لگے، لیکن اسکے باوجود اس کے لب و لہجہ اور تلفظ میں ہندیت کا اثر باقی رہ گیا، مورخین لکھتے ہیں کہ وہ جیم کو زے، اور شین کو سین کہتا تھا، مثلاً اوس نے ایک بزم ایک موقع پر کہا "ویلك فمامد حته انما هزوته" یعنی "ویلك ما مدحته انما هجوته"

اسلئے اشعار پڑھنے اور قصائد سنانے میں اسے بڑی دقتیں پیش آتی تھیں، اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ ممتاز شعرا اپنے ساتھ راوی رکھتے تھے، وہ مجلسوں میں ان کے کلام سنایا کرتے تھے، اس غرض سے افلح نے سلیمان بن سلیم کے دربار کا رخ کیا، اور اسکی شان میں ایک طویل قصیدہ سنایا، اور اس میں اپنے عجمی ہونے اور تلفظ کے صحیح نہ ہونے کا عذر کیا، اور اپنے ملکۂ شعری کا ذکر کر کے ایک راوی کے عطا کئے جانے کی درخواست جتائی،

سلیمان بن سلیم نے اسکی درخواست منظور کی، اور ایک زبان داں بربری غلام عطا کیا، جو بہترین طریقہ سے صحیح لب و لہجہ میں قصائد پڑھتا تھا، افلح نے اس کا نام عطا رکھا، اور اس کے نام پر اپنی کنیت ابوالعطا اختیار کی، اور اسے اپنا متبنی بنالیا، اور اسکے بعد ابوالعطا السندی کے نام سے مشہور ہوا،

اب جس مجلس میں قصیدہ پڑھنے کی ضرورت پڑتی، عطا بڑے جوش و خروش سے پڑھتا، اور ساری مجلس وجد میں آجاتی،

ابوالعطا مخضرمی شعرا میں گنا گیا ہے، اگرچہ اس نے عشقیہ قصائد بھی لکھے، تاہم اس کا خاص موضوع حماسہ تھا، بنوامیہ کا ثناخواں تھا، اون کے مفاخر اور جنگی کارنامے قصائد میں بیان کرتا، اسلئے بنوامیہ کے خاص شعرا میں شمار کیا جاتا، بلکہ بنو عباس اور بنوامیہ کی لڑائی میں بھی شریک ہوا، اور اس کا راوی عطا اسی جنگ میں مارا گیا، بنوامیہ کے خاتمہ پر اوس نے بڑے پر درد مرثیے لکھے،

اسکی وجہ سے خلیفہ ابوجعفر منصور اس سے خار کھاتا، لیکن اس کے لئے فرمانروائے وقت کی اطاعت ضروری تھی، اسلئے دربار میں حاضر ہوا، کہ قصیدہ سنائے، ابوجعفر منصور اسے دیکھکر سخت برہم ہوا، اور سخت الفاظ میں خطاب کر کے اوس سے کہا:-

"تو ہی نے تو دشمن خدا فاجر و فاسق نصر بن یسار (اموی) کا یہ مرثیہ کہا ہے" اور مرثیہ کے اشعار پڑھے، اور پھر کہا:-

"خدا کی قسم میں اسکے بعد تیرے ساتھ کوئی سلوک نہیں کرسکتا"

ابوالعطا دربار سے نکل آیا، اور پھر چند قصائد کہے، جنمیں بنوامیہ کے محامد بیان کئے، انکے مصائب پر خون کے آنسو بہائے، اور پھر ان میں جی بھر کے ابوجعفر منصور کی ہجو کی، اور وہ قصائد دارالخلافت کے بچہ بچہ کی زبان پر آگئے،

نصر بن یسار اموی، جس کی محبت کے جرم میں وہ منصور کے دربار سے نکالا گیا تھا، اس کا بڑا قدر داں تھا،

ان دونون کے دلچسپ شاعرانہ لطائف کتابوں میں مذکور ہیں، اوس نے اس کے قصائد پر بڑے حوصلہ سے انعامات دے، کسی قصیدہ پر دس ہزار، کسی پر چالیس ہزار، اسی طرح ایک موقع پر ایک خوبصورت قندھاریہ کنیز ہبہ کی،

دوسرے امراء بھی اپنی ادب نوازی کا ثبوت دیتے رہتے تھے، ایک مرتبہ ابو العطاء مکہ کے راستہ میں ٹھہرا ہوا تھا، اور اس کا خیمہ راستے کے کنارے پر سمٹا سمٹایا پڑا تھا، ادھر سے نہیک بن معبد عطاردی کا گذر ہوا، اس نے پوچھا یہ کس کا خیمہ ہے، لوگون نے بتایا، ابو العطاء سندھی کا" اوس نے غلامون کو کچھ ساز و سامان اور کپڑے دیکر بھیجا کہ اس کا خیمہ قرینے سے کھڑا کر کے اُسے مرتب کر دین، ابو العطاء نے جب ساز و سامان دیکھا تو اسکی شان میں ایک مدحیہ شعر بلند آواز سے پڑھا، اور وہ شعر قافلہ والوں میں مشہور ہو گیا، اس کے بعد ان دونون کی ملاقات ہوئی، نہیک نے کہا، "ابو العطاء اس شعر پر کچھ اضافہ کرو" اس نے برجستہ جواب دیا:-

"میں نے تمھیں اتنا عطا کیا، جتنا تم نے مجھے عطا کیا تھا، اگر تم اپنے عطیہ کو بڑھاؤگے، تو میں بھی اپنے عطیہ میں اضافہ کرون گا"

معاصر شعراء سے اسکی معاصرانہ چشمکیں بھی رہتی تھیں، اس عہد میں ابو دلامہ مشہور عرب شاعر تھا، ان دونون میں خاصی نوک جھوک رہتی، ابو عطاء نے ابو دلامہ کے ایک خچر کی ہجو مزاحًا لکھی، اوس نے اپنا خچر فوراً فروخت کر ڈالا، اور پھر ابو العطاء کی شان میں ایک طویل ہجویہ نظم لکھ ڈالی، اہلِ ادب نے دونون قصیدون سے خوب لطف اٹھایا،

ابو العطاء نے خلیفہ منصور کے زمانہ میں وفات پائی[1]

[1] کتاب الاغانی ج ۱۶، ص ۷۸ تا ص ۸۴، کتاب الشعر و الشعراء ابن قتیبہ ۴۸۲، و شرح دیوان حماسہ جلد ۲، صفحہ ۳۰،

جاپان اور اسلام

از

پروفیسر برلاس ہوی مقیم ٹوکیو (جاپان)

جنگ عظیم سے پہلے ہندوستان میں یہ خبر مشہور ہوئی تھی، کہ قیصر جرمنی مسلمان ہو گیا، یہ اسکی ایک سیاسی حکمت عملی تھی، کہ اپنے بڑھتے ہوئے حوصلوں کو پورا کرنے کیلئے بنی نوع انسان کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتا تھا، اور رقیب سلطنتوں کی اکثر آبادی مسلمان تھی ان کی تالیف قلوب کیلئے اس نے مذہب اسلام کے بارے میں چند تعریفی جملے کہہ دیے، مسلمانانِ عالم زمانہ کی ٹھوکریں کھاتے کھاتے پست ہمت ہو گئے تھے، ایک جلیل القدر بادشاہ کی زبانی اپنے مذہب کی تعریف سُن کر باغ باغ ہو گئے، اس خبر نے خوش اعتقاد لوگوں کے دلوں میں اتنی اہمیت حاصل کر لی کہ قیصر جرمنی کو مسلمان تسلیم کرنے لگے، حالانکہ اس میں ذرا سی بھی اصلیت نہ تھی نہ وہ خود مسلمان ہوا تھا، اور نہ جرمنی میں اسلام کی اشاعت ہی ہو رہی تھی،

کچھ ایسی ہی خبریں تحریک ترک موالات کے زمانے میں مہاتما گاندھی کے متعلق مشہور ہو گئی تھیں مسلمان سر سید احمد کی پالیسی پر عمل پیرا تھے، اور ایک حد تک سیاسیات سے دور تھے، ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے لئے تمام قوموں کے اتحاد کی ضرورت تھی، مہاتما گاندھی نے مسلم لیڈروں کی تالیف قلوب کی مسلمانوں نے قیصر جرمنی کی طرح مہاتما گاندھی کو مسلمان تسلیم کر کے اپنا دل خوش کر لیا،

دونوں مرتبہ سیاسی ضرورتوں نے اغیار کو مسلمانون کے ساتھ ہمدردی کرنے پر مجبور کیا تھا، اور انھون نے پیش قدمی کی تھی، مسلمانون نے لبیک کہا، جاپان کے بارے میں حالات نے ابھی وہ صورت اختیار نہیں

کی ہے، نہ شہنشاہ جاپان کو مسلمانوں کی تالیف قلوب کی ضرورت پیش آئی ہو، اور نہ جاپان میں کوئی تبلیغی کام ہی ہو رہا ہے، پھر بھی ہندوستان اور مصر میں جاپان میں اسلامی سیلاب کی خبریں گرم ہیں، ہندوستان کے اکثر کئی اصحاب کی زبانی یہ خبر سننے میں آئی ہو، کہ شہنشاہ جاپان مسلمان ہو گیا، اور جاپانی جوق در جوق اسلام لا رہے ہیں، ہمارے کئی احباب ہندوستان سے اسی مضمون کے خط بھی لکھ چکے ہیں، یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس قسم کی خبروں کی اشاعت کا ماخذ کون ہو، اخبار ہند جدید کا ایک پرچہ ہمارے ایک جاپانی دوست نے دکھایا، اس سے تمام حالات یکایک روشن ہو گئے،

اس ماخذ کا حال لکھنے سے پہلے یہ ظاہر کرنا ضروری ہو کہ یہ تمام خبریں سرتاپا غلط ہیں، نہ شہنشاہ جاپان مسلمان ہوا، نہ بیس ہزار جاپانی مسلمان ہیں، اور نہ جاپانی گورنمنٹ مسجد کی تعمیر میں امداد کرنے پر آمادہ ہو، اس وقت جاپان میں ایک مسجد بھی نہیں ہو، شہنشاہ جاپان کا مسلمان ہونا پاپائے روم کے مسلمان ہونے سے بھی زیادہ دشوار ہے، وہ دنیا کے قدیم ترین خاندان کا بادشاہ ہے، اور تمام قومی روایات کا سرچشمہ، وہ ارضی دیوتا مانا جاتا ہو، سورج دیوی کی اولاد ہے، اور دیوتاؤن کے احکام کی پابندی اپنی رعایا سے کرانا اس کا فرض عین ہو، جب کبھی شاہی سواری بازاروں میں سے گزرتی ہو تو مکان کی چھتون سے اس کی سیر دیکھنا نہ صرف گناہ ہے، بلکہ قانوناً جرم بھی ہے، رعایا ٹوپیاں اُتار کر سڑک کی پٹریوں پر سرنگوں کھڑی ہو جاتی ہیں اور شاہی سواری گزرتی ہو تو سناٹا چھا جاتا ہو، پولیس کے سپاہی چونکہ وردی کی ٹوپی نہیں اتار سکتے، سواری کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسی باعظمت شخصیت کا مسلمان ہو جانا کوئی آسان بات نہیں ہو، پھر مسلمانوں نے اسے کبھی مسلمان بنانے کی کوشش کی ہوتی، تو ایسی خبر مشہور کرنی کچھ زیبا بھی تھی، مسلمان اپنے فریضۂ تبلیغ سے غفلت برتیں، اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں تو یہ مشکل کام ہو،

ٹوکیو میں تاتاری مسلمانون نے اپنے بچون کی تعلیم کیلئے ایک مدرسہ قائم کر رکھا ہو، وہیں عیدین اور جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، یہی حال کوبے کا ہے، وہان تاتاری مسلمان کے علاوہ ہندی مسلمان بھی ہیں، انھون

ہندوستان اور کوبے سے پچھتر ہزار ین، جمع کر کے کوبے میں مسجد کی بنا ڈالی ہے، جو زیر تعمیر ہے، اور چھ مہینے کے اندر تیار ہو جائے گی، جاپانی گورنمنٹ نے ابھی تک اسے مسجد یعنی مذہبی عمارت تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، جاپان میں تمام زمین سرکاری ہے، کسی قطعہ پر مکان تعمیر کیا جائے، تو زمین کا ٹیکس گورنمنٹ لیتی ہے، دوسرے مذاہب یعنی شنتو، بدھ، اور عیسائی معابد کو یہ رعایت حاصل ہے، کہ ان سے ٹیکس نہیں لیا جاتا، مسجد ابھی تک اس رعایت کی مستحق نہیں قرار دی گئی، مسلمانوں نے بہت کوشش کی، انگلستان سے پچھلے سال مسٹر خالد شیلڈرک یہاں تشریف لائے تھے، انھوں نے بھی کوشش فرمائی، لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی، جاپانیوں میں اسلام کی اشاعت کا یہ حال ہے، کہ پانچ چھ جاپانیوں سے زیادہ مسلمان نہیں ہیں، البتہ وہ جاپانی عورتیں ان کے علاوہ ہیں، جن سے غیر ملکی مسلمانون نے نکاح کر لیا ہو، مگر ان کی تعداد بھی ایک درجن سے زیادہ نہیں ہو،

جاپان میں دو قوموں کے مسلمان آباد ہیں، ہندی اور تاتاری، کچھ ترکی، ایرانی، افغانی، مصری، اور شامی بھی ہیں، مگر وہ کسی شمار میں نہیں ہیں، ہندی مسلمان تقریباً تیس سال سے جاپان آنے لگے ہیں، سب خوشحال تاجر ہیں، یہ جاپان کا مال برآمد کرتے ہیں، ۱۹۲۳ء سے پہلے ان کی کوٹھیاں یوکوہامہ اور کوبے میں کھلی ہوئی تھیں، زلزلے کے بعد یوکوہامہ چھوڑ دیا، اور اب تمام لوگ کوبے میں کاروبار کرتے ہیں، ان کی تعداد سوا سو اور ڈیڑھ سو کے درمیان ہے، پچھلے دس سال سے کوبے میں تعمیر مسجد کی کوشش کر رہے تھے، اب روپیہ جمع ہو جانے پر کام شروع کر دیا ہے، اس مسجد کی کیفیت مسٹر براس نے کوبے میں مسجد کے نام سے رسالہ عصمت کو بغرض اشاعت بھیج دی ہے، غالباً عنقریب یہ مضمون شائع ہو جائے گا، یہاں طوالت کے خوف سے اسکو نقل کرنا مناسب نہیں ہو،

تاتاری مسلمان پچھلے پندرہ سال میں، روس سے ہجرت کر کے جاپان میں آباد ہو گئے ہیں، ان کی بڑی تعداد ٹوکیو اور کوبے میں مجتمع ہو، کوبے میں تقریباً ڈیڑھ سو تاتاری آبادی ہیں، ٹوکیو میں کچھ زیادہ ہوں گے، کچھ دوسرے شہروں میں بھی منتشر ہیں، جاپان میں ان کی کل آبادی چار پانچ سو کے درمیان ہے، ان کی مالی حالت زیادہ اچھی نہیں ہو، زیادہ تر درزی کا کام کرتے ہیں، مگر سب عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں، انھون نے چندہ جمع کر کے

ٹوکیو میں ایک مدرسہ قائم کر رکھا ہے پچیس تیس ہزار ین کی عمارت ہے، اس کی تعمیر میں منچوکوو کے تاتاریوں نے بڑی معاونت کی تھی، ان کے پیش امام مسٹر قربان علی ہیں، پچھلے سال سے ان میں دو پارٹیاں قائم ہو گئی ہیں، اور بعض تاتاریوں نے ترک تاتار انجمن کی شاخ ٹوکیو میں قائم کی، مسٹر قربان علی سفید روسیوں کے ہمنوا ہیں، انھوں نے انجمن کی مخالفت کی، اور یہ ترکی کے بھی خلاف ہیں، جب سے دو پارٹیاں بن گئی ہیں، عمارت مدرسہ پر قبضے کا جھگڑا ہے، مسٹر قربان علی نے تمام جائداد اپنے نام پر رجسٹر کرا رکھی ہے، گویا ان کی ذاتی ملکیت ہے، اس پر تاتاری برہم ہیں، انھوں نے دوسرا امام انتخاب کرکے دوسرے مکان میں نماز پڑھنی شروع کر دی ہے، اور مدرسہ بھی دوسرا قائم کر لیا ہے، مسٹر قربان علی عربی کے عالم ہیں، اور ترکی زبان کے خاصے مقرر ہیں، روسی فوج میں ملا کی خدمت پر مامور رہ چکے ہیں، ترکی زبان میں ایک ماہوار رسالہ بنام "جاپان مخبری" نکالتے ہیں، جو جاپان کے باہر بھی جاتا ہے، عرصہ سے امام اور مدرسہ کے صدر ہونے کی حیثیت سے عہدہ داران حکومت میں بھی کچھ رسوخ حاصل کر لیا ہے، ان سب باتوں کے زعم میں اپنی قوم کی مخالفت کر رہے ہیں، کچھ تاتاری ان کے ساتھی بھی ہیں، مگر ان کی پارٹی ٹوکیو تک محدود ہے، کوبے اور دوسرے شہروں کے تاتاری سب انکے خلاف ہیں،

ایک ترکی مسمی مسٹر محسن جاپان اوغلو جو ترکی گورنمنٹ کے معتوب ہیں، مسٹر قربان علی سے ملے ہوئے ہیں، سابق میں مسٹر اوغلو استنبول کے کسی ترکی اخبار کے نامہ نگار تھے، آجکل جاپان اور منچوکوو میں گشت کرتے رہتے ہیں، ایک اور صاحب بھی ان کے ساتھی ہیں، جن کا نام مسٹر عبد الرشید ابراہیم ہے یہ پہلے روس میں مفتی تھے، اور سابق ترکی میں بھی کچھ اثر رکھتے تھے، مسٹر قربان علی اور مسٹر عبد الرشید ابراہیم کے بارے میں ایک قوم پرست ترک کہتے ہیں، کہ یکے شیطان است و یکے ابلیس، ان تینوں صاحبان کے ذریعۂ معاش کا حال نہیں کھلتا کہ روپیہ کہاں سے آتا ہے،

یہ تینوں مل کر اسلامی ممالک میں پروپگنڈا کر رہے ہیں، ان کے مضامین مصری اخبارات میں شائع ہوتے ہیں، ان سے ہندوستان کے اخبارات ترجمہ کرتے ہیں، جاپان میں اسلام کے سیلاب کا تمام راز ان

تین ہستیوں میں مضمر ہے، اخبارات کے دیکھنے والوں کو یہ علم ہوگا، کہ اس قسم کی خبریں پچھلے سال ہی سے پھیلنی شروع ہوئی ہیں، خبروں کی اشاعت کا زمانہ تاتاریوں کی پارٹی بندی سے آغاز ہوتا ہے،

ان حالات کا روشن پہلو بھی ہے، ہمارے پاس خبریں آرہی ہیں، کہ ہندوستان اور مصر میں تبلیغی مشن تیار ہو رہے ہیں، اور عنقریب جاپان آنے والے ہیں، کاشکہ ان خبروں میں صداقت ہو، ان مشنوں کو معلوم رہنا چاہئے کہ یہاں پکا پکایا تیار نہیں ہے، کہ کھا پی کر واپس چلے جائیں، ان کو یہاں رہنا پڑے گا، مسلسل کام کرنا پڑے گا، اب سے تیس سال پہلے جاپان میں ایک لہر اٹھی تھی، کہ دنیا کے مذاہب کا مطالعہ کیا جائے، اور بہترین مذہب اختیار کیا جائے، اس کی خبر ہندوستان میں بھی مبالغہ کے ساتھ پھیلی تھی، وہاں سے قاری سرفراز حسین صاحب تشریف لائے، شاید وہ اس توقع پر آئے تھے کہ جاپانی ان کے ہاتھ پر بیعت کرکے اسلام لے آئیں گے، مگر ان کے خلاف توقع یہاں کی فضا مختلف تھی، اور وہ ناکام واپس گئے، جو کوئی مشن یہاں آئے اس کا فرض تعلیم دینا نہ ہوگا، بلکہ جاپان اور جاپانیوں کا مطالعہ کرنا بھی ہونا چاہئے، اگر اس نے دوسرے فرض سے غفلت برتی تو پہلے فرض کی انجام دہی میں ناکامی لازمی ہے، جاپانیوں میں کام کرنے کیلئے انکے تمدن کا غائر مطالعہ نہایت ضروری ہے، اسکے ساتھ ہی ان کی زبان بھی سیکھنی چاہئے، ورنہ ان سے تبادلۂ خیالات کرنا اور اپنے مقصد کی اشاعت کرنا محال ہے،

جاپان میں عیسائیوں کے بہت سے مشن کام کر رہے ہیں، ان کو صدیوں سے تبلیغی کام کا تجربہ ہے، ان کے یہاں ایک نظام قائم ہے، جس پر صبر و استقلال سے کام چل رہا ہے، جو نیا پادری آتا ہے، وہ پہلے جاپانی تاریخ و تمدن کا مطالعہ کرکے چلتا ہے، پھر یہاں آکر تین سال تک جاپانی زبان سیکھتا ہے، اس دوران میں جاپانی پادریوں کیساتھ کام کرتا رہتا ہے، جب جاپانی زبان میں سہولت سے گفتگو کرنے اور لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل کر لیتا ہے، تو دراصل اسکی خدمت کا زمانہ شروع ہوتا ہے، مسلمانوں کو تبلیغی کام کرنا پادریوں سے سیکھنا چاہئے، علم الطبیعی کا حق تو ان سے ضرور حاصل کرنا چاہئے،

پچھلے دس پندرہ سال میں جاپان کی فضا بہت کچھ بدل گئی ہے، اور روز بدلتی جارہی ہے، پہلے جاپانی ہر مغربی بات اختیار کرنے پر تلے ہوئے تھے، اب انھیں اپنے تمدن کی خوبیوں کا احساس ہو گیا ہے، اور اپنی تہذیب و تمدن کی اشاعت کرنے لگے ہیں، ٹوکیو میں جاپانیوں نے کئی سوسائٹیاں قائم کر رکھی ہیں، جو وقتاً فوقتاً انگریزی زبان میں جاپانی تمدن پر تقریریں کراتی رہتی ہیں، ان کے جلسوں میں غیر ملکی حضرات شریک ہو کر استفادہ کرتے ہیں، یہ سوسائٹیاں انگریزی زبان میں رسالے بھی نکالتی ہیں،

جاپانی تمدن کی بنیاد افراد خاندان کی شیرازہ بندی پر ہے، بزرگ خاندان اس شیرازے کو قائم رکھتا ہے، تمام افراد اپنے خاندان کی عزت برقرار رکھنے کیلئے ہر وقت قربانی کرنے کو آمادہ رہتے ہیں، اجداد پرستی کے جذبہ سے اس شیرازہ بندی کو تقویت پہنچتی ہے، مگر مغربی تمدن اور لٹریچر کی اشاعت سے اس شیرازہ بندی کو نقصان پہنچ رہا ہے، مغربی تمدن کا بنیادی اصول شخصی آزادی ہے، اس سے خاندانی شیرازہ بندی متزلزل ہو رہی ہے، جاپانی گورنمنٹ اس نقص سے آگاہ ہے، اور وہ جاپانی تمدن کے استحکام کیلئے مذہب سے اپیل کرتی ہے، چنانچہ تھوڑا عرصہ ہوا وزیر تعلیم مختلف مذاہب کے علماء کو ایک جلسے میں مجتمع کر کے اس بارے میں گورنمنٹ کی امداد کی درخواست کر چکے ہیں، اور یہ بھی ظاہر کر چکے ہیں، کہ گورنمنٹ بے دست و پا ہے، وہ کچھ نہیں کر سکتی،

جاپانی مذہب کے بارے میں بڑے فراخدل ہیں، یہاں یہ عجیب منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک خاندان میں باپ بدھ مذہب کا پیرو ہے، ماں شنٹو ہے، بیٹی عیسائی، پھر سب مل جل کر رہتے ہیں، اس سے بڑھ کر یہ منظر ہے کہ بدھ، شنٹو اور عیسائی علماء آپس میں جلسے کرتے ہیں، اور اس امر پر بحث کرتے ہیں، کہ مذہب کی اشاعت کس طرح کیجائے، اور تو قوموں میں نہیں ہوتی،

جاپانی لوگ سیاست میں مذہب کی مداخلت کو بالکل ناجائز قرار دیتے ہیں، تین صدی پیشتر پرتگیزوں نے جاپان میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کی تھی، جنوبی جزیرہ کیوشو میں کئی لاکھ جاپانی عیسائی ہو گئے تھے، خاص جزیرہ ہونڈو میں بھی عیسائیوں کی بستیاں جگہ جگہ قائم ہو گئی تھیں، اس زمانے میں پادری لوگ اپنی سلطنت کے ایلچیوں

کی حیثیت سے کام کرتے تھے، اور جس سلطنت میں تبلیغی خدمت انجام دیتے تھے، اسکی سیاسیات میں بھی دخل دیکر تخریب کا باعث ہوتے تھے، چنانچہ جاپان میں بھی جگہ جگہ بغاوتوں میں عیسائیوں نے حصہ لیا، یہ بات جاپانیوں کو بہت ناگوار گذری، لہذا وسط سترہویں صدی میں جاپانی گورنمنٹ نے غیر ملکی پادریوں کو جلاوطن کر دیا، دوسو برس تک کوئی یوروپین پادری سرزمین جاپان میں قدم نہ رکھ سکا، آج کل پادری گورنمنٹ کے خلاف ایک لفظ منہ سے نہیں نکالتے،

مقبوضات کو چھوڑ کر جاپان خاص کی آبادی چھ کروڑ ہے، اس میں سے تقریباً ستر فی صدی بدھ مذہب کے پیرو ہیں، تیس فیصدی سے کچھ کم شنٹو ہیں، اور عیسائی ایک فیصدی سے بھی کم ہیں، ان کی تعداد سوا چار لاکھ ہے، عیسائیوں کی تعداد بہت قلیل ہے، مگر جاپانیوں کے خیالات اور اخلاق پر عیسائیت کا اثر بدھ مذہب سے زیادہ گہرا پڑ رہا ہے،

کہنے کو تو جاپانی تین فرقوں میں منقسم ہیں، مگر درحقیقت جاپانیوں کا قومی مذہب ایک ہے یعنی شنٹو، اسی طرح شنٹو کی دو حیثیتیں ہیں، ایک فرقہ وارانہ مذہب دوسرے قومی مذہب، زمانہ قدیم سے جاپانیوں کا قومی مذہب شنٹو چلا آتا ہے، پچھلی دو صدیوں سے اس نے فرقہ وارانہ مذہب کی حیثیت بھی اختیار کر لی ہے، قومی مذہب کی حیثیت سے یہ صرف چند قومی مراسم کی بجاآوری پر مشتمل ہے، اس مقصد کے لئے درگاہیں موجود ہیں، جو گورنمنٹ کی نگرانی میں ہیں، کسی شخص کا تقرر عہدۂ وزارت پر ہوا، تو وہ قوم کے دل میں وقار قائم کرنے کے لئے سورج دیوی کی قدیم ترین درگاہ میں جو "شہر ایسے" میں واقع ہے، جا کر اپنے تقرر کی رپورٹ کرنی ضروری سمجھتا ہے، جب جاپانی گورنمنٹ نے لیگ اقوام سے کنارہ کشی اختیار کی، تو گورنمنٹ کے فیصلے کی منظوری اول شہنشاہ سے حاصل کی گئی، پھر وزیر خارجہ نے اس کی رپورٹ شہنشاہ میجی مرحوم کی درگاہ میں جا کر پیش کی، بعد ازاں یہ تجویز جنیوا میں روانہ کی گئی، قومی اداروں کی حیثیت سے ہر پرائمری مدرسے کے اساتذہ اپنے طلبہ اور طالبات کو وقتاً فوقتاً ان درگاہوں میں لے جاتے ہیں، جہاں جا کر وہ بندگی بجالاتے ہیں، نووارد پادری اسی رسم پر جز بز ہوتے ہیں

کہ عیسائی بچوں کو بندگی بجالانے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہو، انھیں یہ جواب ملتا ہے کہ یہ فرقہ داری کی بندگی نہیں ہو بلکہ قومی عقیدت کا ہدیہ پیش کیا جاتا ہو،

جاپانی فطرۃً اجداد پرست ہیں، شاہی خاندان کی قدامت اس جذبہ کے استحکام کی بڑی وجہ ہے یہ خاندان ڈھائی ہزار برس سے قائم ہے، اور اس پر جاپانی قوم جسقدر ناز کرے بجا ہے، ان کے علم الاصنام نے شاہی خاندان کا سلسلہ دیوتاؤں سے جا ملایا ہے، بلکہ شاہی خاندان پر کیا منحصر ہے، تمام جاپانی قوم دیوتاؤں کی اولاد ہے، ایک جاپانی شاعر فخریہ انداز میں کہ گیا ہے، کہ جاپانی دیوتاؤں کی اولاد ہیں ہم کو دعا کی کیا ضرورت ہو، جاپانی علم الاصنام دلچسپی سے خالی نہیں ہے، نہ صرف اس خیال سے کہ اس سے قدیم جاپانیوں کے اعتقادات کا پتہ چلتا ہے، بلکہ اس خیال سے بھی کہ موجودہ جاپانیوں کی روزمرہ معاشرت پر اسکا گہرا اثر پڑا ہو، میں اس مضمون پر قلم اٹھانے سے پہلے جاپانی علم الاصنام کے عنوان پر لکھنا چاہتا تھا، یہاں تفصیل کی گنجایش نہیں ہو، لہذا آیندہ پر ملتوی ہو،

جاپانی اپنی تاریخ میں آجتک کسی قوم سے مغلوب نہیں ہوئے، اس بات پر انھیں بہت غرور ہے، یہ اپنی قوم کو کسی سے پیچھے نہیں دیکھنا چاہتے، ان میں بہت سے اسلامی اخلاق موجود ہیں، سچائی، دیانت داری، مہمان نوازی، تواضع انکسار، تحمل، استقلال، حب وطن، اتحاد قومی ہمدردی باہمی، جانبازی، غرضکہ بہت سی خوبیاں ان میں عام ہیں، تبلیغ اسلام کے لئے بڑی ہمت افزا صفت ان میں یہ ہے، کہ علم کے پروانے ہیں، ان کی پیاس کبھی نہیں بجھتی، چھ کروڑ کی آبادی میں گیارہ سو روزانہ اخبار نکلتے ہیں، ان میں سے پندرہ کی اشاعت ایک لاکھ روزانہ سے زیادہ ہے، ان میں چار ایسے بھی ہیں، جن کی اشاعت بارہ تیرہ لاکھ روزانہ ہے، تمام روزانہ اخبارون کی مجموعی اشاعت ایک کروڑ نوے لاکھ ہوتی ہے، اور جاپان میں خاندانوں کی تعداد صرف ایک کروڑ پچھتر لاکھ ہو، گویا اوسطاً ہر خاندان میں کم از کم ایک روزانہ اخبار ضرور پہنچ جاتا ہے، شہریوں اور دیہاتیوں کا تناسب ذہن نشین رکھا جائے، تو ہر شہری کے حصے میں کئی کئی روزانہ اخبار آتے ہیں، واقعہ یہی ہے، کہ ہر شہری کئی کئی

روزانہ اخبار خریدتا ہے، ہفتہ وار اور مہینے میں دو تین مرتبہ نکلنے والے اخباران کے علاوہ ہیں، جن کی تعداد ساڑھے پانچ ہزار کے قریب ہو، ماہوار رسالے بھی تقریباً آٹھ سو نکلتے ہیں، ان رسالوں میں چند ایسے بھی ہیں جنکی ماہانہ اشاعت دس لاکھ سے زیادہ ہے، کتب بینی کا شوق بھی بہت ہے، اس شوق کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے، کہ ٹوکیو کے ایک بازار میں تیس سے زیادہ دکانیں صرف سکنڈ ہینڈ کتابوں کی ہیں، جنمیں صرف طلبہ کے کام کی کتابیں نہیں ملتیں، بلکہ ہر مذاق کی کتابیں موجود رہتی ہیں، پرانی کتابوں کی ایک نہ ایک دکان ہر بازار میں ضرور نظر آتی ہو، میلوں میں جہان کھلونوں اور مٹھائیوں کی دکانیں لگتی ہیں، وہیں کوئی نہ کوئی پرانی کتابوں کی دکان بھی موجود ہوتی ہے،

جاپانیوں میں اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا بھی شوق ہے، جاپانی زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ ہو چکا ہے، مگر یہ ترجمہ ایک عیسائی مصنف کے انگریزی ترجمے سے جاپانی زبان میں ہوا ہے، پچھلے سال اسلام کا علم حاصل کرنے کے لئے ایک سوسائٹی قائم ہو چکی ہے، ایک جاپانی پروفیسر ترکی زبان کے ماہر ہیں، انھوں نے ترکی زبان پر لکچر دینے شروع کر دئے ہیں، انھیں اسلام کی کافی معلومات حاصل ہے، جاپانی زبان میں اسلام پر ایک کتاب بھی لکھ چکے ہیں، جو بڑے نفیس کاغذ پر چھپی ہے، اور تصاویر سے مزین ہے، میں اس کتاب کو نہیں پڑھ سکا، مگر تصاویر سے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے، کہ یورپین مصنفین سے استفادہ کیا ہے، کیونکہ آنحضرتؐ کی پانچ چھ تصاویر اس میں موجود ہیں، انھیں کھینچنے کی کوئی مسلمان مصور جرأت نہیں کر سکتا، ان تصاویر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے، کہ یورپین کیسے غلط نقطۂ نگاہ سے آنحضرتؐ کو دیکھتے چلے آئے ہیں، ان تصاویر کے دیکھنے سے میرے دل میں خوف پیدا ہو گیا، کہ کہیں پروفیسر صاحب دوستی کے پیرایے میں اسلام سے دشمنی نہ کر جائیں، بدھ مذہب کی ایک یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، یہ مسلمان ہیں، اور مسلمانوں کیساتھ نماز پڑھتے ہیں،

جاپان میں اسلام پھیلانے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی، کوئی وجہ نہیں کہ جاپانیوں کے ساتھ اسلامی

تعلیم پیش کی جائے، اور وہ اسے قبول نہ کریں، مجھے انکے علمی شوق اور صلاحیت پسند طبیعت سے قوی امید ہوتی ہے، کہ یہ جلد اسلام قبول کریں گے،

دراصل ہمیں اس سے بحث بھی نہیں کرنی چاہئے، کہ جاپانی اسلام کی جانب آسانی سے مائل ہو سکتے ہیں، یا مشکل سے، ہمیں تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اسلام میں ذاتی خوبی موجود بھی ہے یا نہیں کہ اسے دنیا میں پھیلایا جائے، ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا، کہ اسلام بنی نوع انسان کیلئے بہترین مذہب ہے، مگر ہماری ملکی معاشرت مذہب پر اس قدر غالب آگئی ہے کہ اس میں اسلام کی خوبیاں چھپ کر رہ گئی ہیں، غیر مذاہب کے تعلیم یافتہ اصحاب کے سامنے مذہبی مسائل پر بحث کرتے ہوئے ہم میں جھجک پیدا ہوتی ہے اور ہم خود اپنے مذہب کیساتھ انصاف نہیں کر سکتے،

صحیح اسلامی تعلیم پیش کرنے میں ہم کو ہر ملک کے خصوصی حالات نظرانداز کر دینے چاہئیں، اور قرون اولیٰ کا اسلام سامنے رکھنا چاہئے، ہم کو اس ملک کی معاشرت کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے، جسمیں ہم اسلام پھیلانا چاہتے ہیں، مثلاً جمعہ کے غسل کو مذہب کا جزو بنا کر پیش کر جاپان میں مناسب نہیں ہو سکتا، یہ صحیح ہے کہ عرب جیسے ملک میں جہاں پانی کا ہمیشہ قحط رہتا ہے، آٹھویں روز کے غسل کی تاکید کرنی اس امر کی دلالت ہے کہ اسلام کو صفائی نہایت پسند ہے، مگر یہاں ہر کس و ناکس جاڑے تک میں روزانہ غسل کرنے کا عادی ہے، اگر گھر میں حمام نہ ہو تو ایک آنے کے پیسے دیکر نہایت نفیس حمام میں غسل کر سکتا ہے، جسکے لئے ہندوستان کے بڑے شہروں میں ایک روپیہ دینا پڑے، یہاں جمعہ کے جمعہ نہانے کی تاکید کیجائے تو سوائے اسکے کہ جاپانی اسلام کو گندہ مذہب سمجھیں اور کیا توقع ہو سکتی ہے،

تبلیغ مذہب میں ہمکو تمدنی ضروریات کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے، ہندوستان میں ایک صاحب جو اپنے تئیں پکا مسلمان ظاہر کرتے تھے، یہ بات فخریہ بیان کرتے تھے، کہ میں ہندوستانی روپے کا تبادلہ دیسی ریاست کے روپے میں کراتا ہوں، تو زیادہ روپے آتے ہیں، مگر میں زیادہ روپے نہیں لیتا، بلکہ ایک آدھ روپے کم

کرکے باقی کے پیسے لے لیتا ہوں گویا چاندی کے بدلے میں زیادہ چاندی نہیں لیتے، وہ اپنے دل کو اس حیلے سے تسلی دے لیتے تھے، اور دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے تھے، یہ صریح دھوکہ بازی ہے، اور اس طرز عمل کو مذہب کے نام پر واجب بتانا، اس مذہب کو بٹہ لگانا ہے، یہ ممکن ہے کہ کسی مقامی اور وقتی ضرورت کے لحاظ سے ایسا کوئی مسئلہ وضع کیا گیا ہو، مگر اس کو ہر زمانے اور ہر ضرورت پر حاوی کر دینا انسانی فہم و ادراک کو بے بہا چیز قرار دینا ہوگا، غرضکہ ہمیں مسائل کے استنباط کا دائرہ تنگ کرکے مذہب کو محدود اور قابلِ اعتراض چیز نہ بنا دینا چاہئے، اسلام تمام دنیا کے لئے اور ہر زمانے کے لئے نازل ہوا ہے، ویسی ہی وسعت اس میں قائم رہنی چاہئے،

دنیا کو اسوقت اسلام کی اشاعت کی سخت ضرورت ہے، مادیت کی رو میں دنیا بہتی چلی جارہی ہے، مالدار اور غریب میں شدت کی جنگ ہو رہی ہے، کمزور قومیں زبردستوں کے ہاتھوں پسی جارہی ہیں، ہر قوم دوسری قوموں سے خائف ہے، اور جنگ کی تیاری میں مصروف، اسوقت اسلام کو میدان میں آکر خدا کی وحدانیت اور بنی نوع انسان کی مساوات اور اخوت اور آپس میں انصاف کا اعلان و تبلیغ کرنا چاہئے، روحانیت کے غلبے سے مادیت کو مغلوب کرنا چاہئے، نفسانیت کو ایثار سے دبانا چاہئے، اور دوسروں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے خدمت کو انسانی شعار بنانا چاہئے، یہ مشن اسلام سے بڑھکر اور کوئی مذہب پورا نہیں کر سکتا، جس نے پیغمبر اور غلام کو ایک دسترخوان پر بٹھا دیا، اور بادشاہ و رعایا کو کندھے سے کندھا ملا کر ایک صف میں کھڑا کر دیا، کونسی قوم اور کونسا مذہب ایسی فروتنی کی مثال پیش کر سکتا ہے، کہ مفتوحہ قلعہ کے دروازے پر فاتح قوم کے بادشاہ کی سواری پہنچتی ہے، تو اس حال میں کہ غلام اونٹ پر سوار ہے اور بادشاہ اسکی نکیل پکڑ کر زمین پر کھڑا ہے، اس زبردست روحانیت کے سامنے تمام جاہ و جلال ہیچ ہے، ہمکو یہ اسلام پیش کرنا ہے، اور دنیا میں امن قائم کرنا ہے،

اس اسلام کو پیش کرنے کے لئے مبلغین کہاں سے آئیں، صرف علمی قابلیت کافی نہیں ہے بلکہ

زبردست اخلاق کی بھی ضرورت ہے، ہماری نظر علمائے کرام پر پڑنی چاہئے، مگر افسوس ہے کہ ہمارے علما کئی صدیوں سے ایک دائرے میں محدود ہو کر رہ گئے ہیں، ان میں سے رواداری مفقود ہو گئی ہے اختلاف رائے برداشت کرنے کا مادہ سلب ہو گیا، اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی قابلیت جاتی رہی،

متحد ہو کر علما، اس امت کی بڑی خدمت کر سکتے ہیں، مگر یہ امر ابھی مشکوک ہے کہ غیر ممالک میں تبلیغ کا کام بھی سنبھال سکتے ہیں، اگر وہ کمر ہمت باندھیں، تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہو سکتی، غیر ممالک میں تبلیغ کیلئے اسلامی علوم کے ساتھ مغربی علوم پر بھی عبور ہونا چاہئے، جاپان ایک مشرقی ملک ہے مگر مغربی خیالات اور مغربی تمدن سے سرتاسر متاثر ہے، یہاں مشرقی اور مغربی دونوں قسم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر جانا چاہئے

تبلیغی مشن کی سرپرستی کے لئے ہماری نظر ہندوستان کی طرف ہی اٹھتی ہے، ہندی مسلمان خواہ کتنے ہی خوار ہوں، خواہ وہ اپنا وقار کتنا ہی کھو چکے ہوں، مگر ان میں ایمانی قوت باقی ہے، اور وہ سیاسی میدان میں بھی اپنی قوت کا سکہ اپنے ہموطنوں کے دلوں پر بٹھا رہے ہیں، پہلا سا احساس کمزوری جو ہمیں مفلوج کئے ہوئے تھا، اب زائل ہو رہا ہے، اب ہمیں اپنی قوت پر اعتماد ہونے لگا ہے اور شکنجے کی زنجیریں توڑ کر اب ہم اپنے حقوق منوانے کھڑے ہو گئے ہیں، مذہبی میدان میں بھی ہندوستان کے مسلمان روئے زمین کے مسلمانوں پر سبقت لے گئے ہیں، ان کی ہمدردی تمام اقصائے عالم پر محیط ہے، ہندی مسلمانوں نے ترکی کی مصیبت میں کیا کچھ قربانیاں نہیں کیں، غریب عورتوں نے اپنے گلے اور ہاتھ کے زیور تک دے ڈالے، ہمارے ہموطن بھائی مسلمانوں کے اس ایثار کو سادہ لوحی کہ کر وطن سے غفلت قرار دیتے ہیں، دراصل مسلمانوں کی بین الاقوامی ہمدردی ایک مایۂ ناز جذبہ ہے، جس کی عظمت ایک ملک کے اندر محدود بننے والے ہرگز محسوس نہیں کر سکتے، یہ بین الاقوامی جذبہ ہی مسلمانوں سے ایسے ایسے کارہائے عظیم کرانے والا ہے، جس سے دنیا آنے والی آفات سے محفوظ ہو جائے گی، آج کل قوموں کے دلوں میں خوف کا جذبہ غالب ہے، جب تک یہ جذبہ کار فرما رہے گا، دنیا جنگ و جدل کی آماجگاہ بنی رہیگی، جب اسلامی اخوت کی تبلیغ ہوگی

تب ہی دنیا امن کی جگہ بن سکیگی،

یہ ہندی مسلمانوں ہی کی ہمت تھی کہ ایسی قوم کو جس نے دنیا کی بیشتر کمزور قوموں کو اپنا حلقہ بگوش بنا رکھا ہے، اسلام کا حلقہ بگوش بنانے کا بیڑا اٹھایا ہے، اور وہاں اسلامی مشن کھڑا کر دیا ہے، جس نے چند سال میں انگلستان و دیگر ممالک مغرب میں بہت سے افراد کو مسلمان بنا لیا ہو، ہندوستان کے مسلمانوں ہی کو جاپان میں تبلیغ اسلام کا بار اپنے کندھوں پر اٹھانا چاہئے، دنیا کے کسی ملک میں مسلمانوں کی تعداد اتنی نہیں ہے کہ جتنی ہندوستان میں ہے، اس لحاظ سے بھی ہندوستان کے مسلمان اپنی متحدہ قوت سے جتنی اسلامی خدمت انجام دے سکتے ہیں، دوسرے کسی ملک کے مسلمان نہیں کر سکتے، پھر ہندوستان کے مسلمانوں نے انگلستان میں تبلیغی مشن قائم کر کے غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کا جو تجربہ حاصل کر لیا ہے، اس سے دوسرے ممالک والے ابھی تک محروم ہیں،

جاپان میں اسلام کی تبلیغ ہم کئی طریقے سے کر سکتے ہیں، اور ہم کو ہر طریقہ اختیار کرنا چاہئے، اول یہاں کی پبلک لائبریریوں میں اسلامی رسائل بھیجنا، یہاں اردو جاننے والے عنقا ہیں، اور جو ہیں بھی وہ ان رسائل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، البتہ انگریزی جاننے والے بے انتہا ہیں، اب تو انگریزی زبان ہر مدرسے میں لازمی ہے، انگریزی کے رسائل مفید ہوں گے، اسلامک ریویو لاہور والے اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہیں، ان کو میں نے پبلک لائبریریوں اور چند دیگر اداروں کی فہرست روانہ کر دی ہے، اور دیگر فہرستیں زیر ترتیب ہیں،

دوئم انگریزی زبان میں اسلام پر چھوٹے چھوٹے پمفلٹ جاپانیوں میں تقسیم کرنا، اس ضمن میں بھی اسلامک ریویو والے کام کر رہے ہیں، وہ وقتاً فوقتاً ووکنگ مشن کے پمفلٹ بھیجتے رہتے ہیں، اور میں انھیں تقسیم کرتا رہتا ہوں، اسوقت ووکنگ مشن کی کتابوں میں بہترین اسلامی لٹریچر موجود ہے جبتک اس سے بہتر کتابیں شائع نہ ہوں اسی کی تقسیم کا انتظام ہونا چاہئے،

سوم یہاں کے انگریزی اخبارات میں اسلام پر مضامین شائع کرنا، یہ اخبارات دراصل غیر ملکیوں کے استفادے کیلئے ہیں، مگر کچھ جاپانی بھی ان کو دیکھتے ہیں، میں سال میں ایک مضمون شائع کرا سکتا ہوں مگر کافی نہیں ہے، دوسرے مضمون نگاروں کو توجہ کرنی چاہیے،

چہارم یہاں کے علمی جلسوں میں اسلام پر تقریریں کرنا، مجھے سال میں ایک مرتبہ ایسا موقع مل جاتا ہے، ایک تقریر سے زیادہ تیار کرنے کی مجھے فرصت نہیں، دوسرے اصحاب ہندوستان سے آئیں تو زیادہ کام کر سکتے ہیں،

پنجم اسلامی لائبریری کا قیام، انگلستان اور یورپ کے دیگر ممالک کی لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر دستیاب ہو جاتا ہے، بلکہ مستشرقین وہیں کی لائبریریوں سے اسلامی تمدن کی تحقیقات کرتے ہیں، جاپان میں اس کی بڑی کمی ہے، یہاں اسلامی لٹریچر کا فقدان ہے، ایسی لائبریری کی اشد ضرورت ہے، جسمیں انگریزی، جرمن، اور فرانسیسی میں کتب موجود ہوں، ان زبانوں کے علاوہ اگر اردو، فارسی اور عربی کی کتابیں بھی مہیا ہوں تو بہت اچھا ہے، ایسی لائبریری کے قیام میں مسلمان جتنی فراخ حوصلگی سے کام لیں اتنا ہی مفید ہوگا،

ششم اسلامی مشن کا قیام، اسکے قیام میں بہت روپیہ صرف ہوگا، اسی وجہ سے اسے آخر میں درج کیا گیا ہے، مگر اسکے بغیر تبلیغ کا کام کما حقہ پورا نہیں ہو سکتا، اس مشن کے افراد کو جاپانی زبان سیکھ کر اول چار تجویزوں کو جاپانی زبان میں عملی جامہ پہنانا چاہیے، لائبریری کا قیام اس مشن کے ساتھ بھی ضروری ہے،

جب تک مشن قائم نہ ہو، اول پانچ تجویزوں پر عمل پیرا ہونا چاہیے، میں کچھ وقت نکال سکتا ہوں اور وہ اسلام کی خدمت کیلئے حاضر ہے، جبتک کتابوں کا ذخیرہ زیادہ نہ ہو، میں اپنے مکان میں لائبریری کے لئے جگہ بھی دے سکتا ہوں، جب تعداد زیادہ ہو جائیگی، تو اسکے لئے علٰحدہ مکان اور فرنیچر کی ضرورت ہوگی، مخیر حضرات براہ راست میرے پاس کتابیں بھیج سکتے ہیں، اسلام کی اس خدمت کے لئے ہندوستان میں کمیٹی بننی چاہیے، اور یہ جسقدر جلد قائم ہو جائے اچھا ہے،

تصوف کی اجمالی تاریخ

اور

اس پر نقد و بحث

از مولانا عبدالسلام ندوی

(۲)

قدماء کے دور کے بعد تصوف کتاب وسنت اور زہد و عبادت سے گذر کر مختلف علوم و فنون کا مجموعہ ہو گیا، اور شیخ بو علی سینا المتوفی ۴۲۸ھ نے تصوف کو فلسفہ کیساتھ ملایا، چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں ہے:-

"بعد ازان طریقت بفلسفہ کشید"[1]

علامہ ابن تیمیہ رسالہ سماع و رقص میں لکھتے ہیں:-

"ابن سینا نے ایک فلسفہ ایجاد کیا، جسکو اپنے سلف یونانیوں کے کلام اور اہل کلام یعنی جہمیہ وغیرہ کے عقائد سے مرکب کیا، اور بہت سے عملی اور علمی امور میں ملاحدہ اسماعیلیہ کا طریقہ اختیار کیا، اور اسمیں کسی قدر صوفیہ کے کلام کی آمیزش کی، لیکن درحقیقت اس کا مرجع بھی اوس کے بھائی اسمٰعیلیہ قرامطہ باطنیہ کا کلام ہے"[2]

محدثانہ حیثیت سے صوفیہ کی مستقل سنت قائم ہو گئی، اور ابو عبدالرحمٰن سلمی المتوفی ۴۱۲ھ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب، کتاب السنن کے نام سے لکھی اور صوفیہ کیلئے بہت سی حدیثیں وضع کیں،[3] اس نے خاص صوفیانہ مذاق کے مطابق ایک تفسیر بھی لکھی، جسمیں باطنیوں کی تاویلات درج کیں،[4]

[1] تذکرۃ الاولیاء جلد دوم ص ۲۰، [2] رسالہ مذکور ص ۲۸۸، [3] تلبیس ابلیس ص ۱۶۴، [4] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۲۴۹

غرض تصوف نے متقدمین صوفیہ کے زمانے سے لیکر متاخرین صوفیہ کے زمانے تک جو قالب بدلے اونکی
تاریخ علامہ ابن جوزی کے الفاظ میں یہ ہو کہ تصوف کا لفظ دوسری صدی سے پہلے پیدا ہوا، اور جب قدماء صوفیہ نے
اس لفظ کو پیدا کیا، تو اوس کے اوصاف بہت سے الفاظ میں بیان کئے، لیکن ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ اون کے
نزدیک ریاضت نفس، اور مجاہدہ کا نام تصوف ہو، جو اخلاق رذیلہ سے روکتا ہے، اور اخلاق فاضلہ مثلاً زہد، حلم، صبر
اخلاص اور صدق وغیرہ پر آمادہ کرتا ہے، چنانچہ حضرت جنید بغدادی سے تصوف کی حقیقت پوچھی گئی، تو انھون
نے کہا کہ "ہر برے خلق سے الگ ہونا اور اچھے خلق کو اختیار کرنا تصوف ہو" اس کے بعد ابلیس نے صوفیہ کو دھوکا دینا
شروع کیا اور جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، اوس کا فریب بڑھتا گیا، یہانتک کہ متاخرین پر اوس کا پورا تسلط ہو گیا،
اور اس فریب کی اصلی وجہ یہ تھی، کہ اوس نے ان کو علم سے روک دیا، اور ان پر یہ ظاہر کیا کہ مقصود صرف عمل ہو اسلئے
جب علم کا چراغ بجھ گیا، تو وہ اندھیری میں بھٹکنے لگے، چنانچہ بعض لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ اس سے مقصود کلیۃً ترک دنیا ہو، اسلئے
اونھوں نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا، جس سے ان کے بدن کی اصلاح ہوتی تھی، اور مال کو بچھو سے تشبیہ دی،
اور یہ بھول گئے کہ مال مصالح کے لئے پیدا کیا گیا ہے، نفس پر اسقدر جبر کیا کہ بعض صوفیہ لیٹتے تک نہ تھے، اگرچہ ان
لوگون کے مقاصد اچھے تھے، لیکن خلاف سُنت تھے، بعض لوگ ان مین علم کی کمی سے احادیث موضوعہ پر نادانستہ عمل کرتے تھے،

اس کے بعد ایک قوم پیدا ہوئی، جس نے فقر، گرسنگی، وساوس اور خطرات پر بحث کی اور اس میں کتابیں
لکھیں، مثلاً حارث محاسبی، پھر دوسرے لوگ پیدا ہوئے، تو انھون نے مذہب تصوف کو اور زیادہ مہذب بنا دیا،
اسمیں چند امتیازی خصوصیتیں پیدا کیں، مثلاً گدڑی، سماع، وجد، رقص، اور تالی بجانا اور نظافت وطہارت میں
بھی اضافہ کیا، رفتہ رفتہ اس میں ترقی ہوتی گئی، اور مشائخ ان کے لئے قواعد بناتے گئے، اور علماء سے ان لوگون
کو دوری ہوتی گئی، یہانتک کہ ان لوگوں نے اس کا نام علم باطن رکھدیا، اور شریعت کو علم ظاہر کہنے لگے، ان لوگون میں
سے بعض لوگوں کے دل میں گرسنگی نے خیالات فاسدہ پیدا کئے اور انھوں نے خدا کے عشق و شیفتگی کا دعویٰ کیا گویا
انھوں نے ایک حسین شخص کا تخیل قائم کیا، اور اس پر فریفتہ ہوگئے، اور یہ لوگ کفر و بدعت کے درمیان تھے، اس

نے چند لوگوں کے عقائد بھی خراب کر دیے، اور انہی لوگوں میں سے بعض حلول اور بعض اتحاد کے قائل ہو گئے، غرض
ابلیس ان کو طرح طرح کی بدعتوں میں مبتلا کرتا رہا، یہانتک کہ ان لوگون نے اپنے لئے مستقل سنتیں بنائیں، اور
ابو عبد الرحمٰن سلمی نے صوفیہ کیلئے کتاب السنن تصنیف کی اور ان کے لئے تفسیری حقایق جمع کئے، ابو نصر سراج نے
ایک کتاب لمع الصوفیہ کے نام سے لکھی، اور اس میں عقائد بد اور کلام مرذول بیان کئے، ابو طالب مکی نے قوت القلوب
تصنیف کی اور اس میں احادیث باطلہ درج کیں، پھر ابو نعیم اصفہانی نے کتاب الحلیہ لکھی، اور حدود تصوف میں
بہت سی قابل اعتراض چیزیں بیان کین، اور صوفیہ میں ابو بکر، عمر، عثمان، علی، اور سادات صحابہ کو شامل کر لیا، اور ان
کے متعلق عجیب عجیب باتیں بیان کین، اور اس نے صوفیہ کے سلسلے میں قاضی شریح، حسن بصری، سفیان ثوری
اور امام احمد بن حنبل کا ذکر بھی کیا، اسی طرح فضیل، ابراہیم بن ادہم اور معروف کرخی کو بھی اسلئے صوفیہ میں شامل
کر لیا کہ یہ لوگ زاہد تھے، اور عبد الکریم بن ہوازن قشیری نے کتاب الرسالہ لکھی، اور اس میں فنا، بقا، قبض
بسط، وقت، حال، وجد، وجود، جمع، تفرقہ، صحو، سکر، ذوق، شرب، محو، اثبات، تجلی، محاضرہ، مکاشفہ، لوائح،
طوالع، لوامع، تکوین، تمکین، شریعت، حقیقت وغیرہ کے متعلق عجیب عجیب باتیں لکھیں، محمد بن طاہر مقدسی نے صفوۃ
التصوف لکھی، اور اس میں ایسی باتیں لکھیں، جن کے بیان کرنے سے عقلمند آدمی کو شرم آتی ہو، ہمارے شیخ ابو الفضل
بن ناصر حافظ کا قول ہو کہ ابن طاہر اباحیہ مذہب رکھتا تھا، اور اوس نے لونڈوں کی نظر بازی کے جواز میں ایک
کتاب لکھی تھی، پھر ابو حامد غزالی نے صوفیوں کے طریقے پر احیاء العلوم لکھی، اور اس میں نادانستہ طور پر احادیث
باطلہ بھر دیں، مکاشفہ پر بحث کی، اور قانون فقہ کے دائرے سے باہر نکل گئے، اور یہ بیان کیا کہ جو ستارہ، چاند اور
سورج حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا تھا، اوس سے وہ انوار مراد ہیں، جو حجاب خداوندی ہیں، یہ مشہور ستارے
مراد نہیں، اور یہ کلام باطنیوں کے کلام کی جنس سے ہو،

اس قسم کی کتابوں کی تصنیف کا سبب یہ تھا، کہ یہ لوگ سنن، آثار اور اسلام کا بہت کم علم رکھتے تھے،
اور صوفیہ کا جو طریقہ اون لوگون نے پسند کر لیا تھا، اوس پر مٹے ہوئے تھے، اور اس طریقہ کو ان لوگون نے اسلئے

پسند کیا تھا، کہ زہد مسلم طور پر ایک قابل ستایش چیز تھی، اور بظاہر ان لوگوں کو صوفیہ سے بہتر کوئی حالت اور ان کے کلام سے لطیف تر کوئی دوسرا کلام نظر نہیں آتا تھا، اسکے بخلاف سلف کی سیرتوں میں کسی قدر خشونت پائی جاتی تھی، عام طور پر مخلوق بھی اس قوم کی طرف مائل تھی، کیونکہ اس طریقہ میں ظاہری طور پر نظافت و عبادت کے اجزاء شامل تھے، اور اونہی کے ضمن میں راحت و سماع کا سامان بھی تھا، جس کی طرف طبیعتیں مائل ہوتی ہیں۔[1]

محدث ابن جوزی نے ۵۹۷ھ میں وفات پائی ہے، اور اسی صدی یعنی ۵۶۰ھ میں شیخ محی الدین ابن عربی جو مسئلۂ وحدت الوجود کے بانی ہیں، پیدا ہوئے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ محدث موصوف نے تصوف کی بحث میں وحدت الوجود کا ذکر نہیں کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اون کی وفات کے زمانے تک شیخ نے اس مسئلہ کا اظہار نہیں کیا تھا، ان کے بعد اس مسئلہ کی اشاعت ہوئی، لیکن بہرحال ابن عربی نے ۶۳۸ھ میں وفات پائی، اسلئے ساتویں صدی میں کافی طور پر اس مسئلہ کی اشاعت ہو چکی تھی، اور اس زمانہ کے بعد تصوف کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا، اور اسکی عملی حیثیت فنا ہو گئی، اور اس نے زیادہ تر علمی قالب اختیار کر لیا اور ایک مستقل فلسفہ کی حیثیت اختیار کر لی، چنانچہ دبستان المذاہب میں ہے:-

"در عقائد صوفیہ صفیہ ہمانست کہ اشراقیان راست، اما صوفیہ اکنون عقائد بر مز و اشارت

در آمیختہ اند تا نا اہل در نیابد" (ص ۳۱۸)

دوسرے موقع پر ہے:-

"اکثر جا کلام حضرت رئیس الموحدین شیخ محی الدین ابن عربی و صوفیہ صفیہ را ہمزے شمارد و چون بسرحد

تصریح میرسانند با حکمت اشراق موافق است" (۳۲۲)

متاخرین صوفیہ نے قدماء کے عملی طریقہ کو چھوڑ کر شیخ ہی کی تقلید کی ہے، اسلئے متاخرین کا تصوف قدما

[1] تلبیس ابلیس ص ۱۰۳ [illegible]

کے تصوف سے بالکل الگ ہے، چنانچہ مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:-

"اوست کہ سخن معرفت و عرفان را بنیاد نہادہ است و شرح و بسط دادہ اوست کہ از توحید و اتحاد بتفصیل سخن گفتہ است و منشا تعدد و تکثر را بیان فرمودہ است، و اوست کہ وجود را بالکل بحق دادہ است جل و علا، و عالم را موہوم و متخیل ساختہ و اوست کہ تنزلات مر وجود را ثابت گردانیدہ است و احکام ہر مرتبہ را جدا کردہ است کہ عالم را عین حق دانستہ است جل شانہ و ہمہ اوست گفتہ و با وجود آن مرتبہ تنزیہ حق سبحانہ وراء عالم یافتہ است و از دید و دانش اور اسبحانہ منزہ و مبرا دانستہ مشائخ کہ از شیخ متقدم اند، درین باب اگر سخن گفتہ اند باشارت و با رموز گفتہ اند و بشرح و تفصیل آن نپرداختہ و آنکہ ازیں طائفہ بعد از شیخ آمدہ اند اکثر شان تقلید شیخ اختیار کردہ اند"[1]

تصوف کے اسی دور میں فرقہ قلندریہ بھی پیدا ہوا، لیکن ایک عجیب بات ہے کہ محدث ابن جوزی نے اس فرقے کا ذکر بھی نہیں کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اون کے زمانے تک اس فرقے نے کوئی مستقل حیثیت اختیار نہیں کی تھی، بہرحال قدماہی کے زمانے میں فرقہ ملامتیہ پیدا ہو چکا تھا، اور اس کے بعد اوسی قسم کا ایک دوسرا فرقہ پیدا ہوا، لیکن ان دونوں فرقوں میں جو فرق تھا، اوس کو مقریزی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

"قلندریہ ایک گروہ ہے، جو صوفیہ کی طرف منسوب ہے، اور کبھی وہ اپنے آپ کو ملامتیہ کہتا ہے، اس فرقے کی حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے آداب مجلس اور آداب گفتگو کی پابندی ترک کر دی ہے، فرائض کے سوا روزہ نماز کے کم پابند ہوتے ہیں، اور مباح لذتوں کے حاصل کرنے میں بیباک ہوتے ہیں، صرف شرعی رخصتوں پر قناعت کرتے ہیں، اور فرائض کی پابندی نہیں کرتے، یہ لوگ کچھ جمع نہیں کرتے، اور بہت سی دنیوی چیزوں کے اکٹھا کرنے میں احتراز کرتے ہیں، یہ لوگ نہ متقشف ہوتے ہیں نہ زاہد

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی جلد سوم ص ۱۳۷

اور نہ عابد بلکہ ان کا خیال ہو کہ وہ صرف خدا سے اپنے دل کو خوش رکھتے ہیں، اور اسی پر قناعت کرتے
ہیں، اور بجز مسرت قلب کے یہ لوگ اور کچھ نہیں چاہتے، ملامتی اور قلندری میں یہ فرق ہے کہ ملامتی
عبادات کے مخفی رکھنے میں مصروف رہتا ہے، اور قلندری عادات کے بگاڑنے میں مشغول، ملامتی
تمام نیک کاموں کا پابند رہتا ہو اور اسکو فضیلت سمجھتا ہے، البتہ وہ اپنے احوال و اعمال کو چھپاتا
ہے، اور اخفائے حال کیلئے عوام کی ہیئت و لباس میں نمایاں ہوتا ہو تاکہ لوگ اوسکو پہچان نہ سکیں لیکن
وہ اسی کیساتھ مزید عبادات کا خواستگار رہتا ہو لیکن قلندری کسی ہیئت کا پابند نہیں رہتا، اور اپنو معروف اور
غیر معروف حال کی پروا نہیں کرتا، وہ صرف اپنے دل کی مسرت کی طرف رجحان رکھتا ہو، اور یہی اسکا راس المال ہی[1]

فرقہ قلندریہ کا ایک شعار یہ ہے کہ یہ لوگ چار ابرو کا صفایا کرواتے ہیں، اور اسکی وجہ ابن بطوطہ نے اپنے
سفرنامہ میں یہ بیان کی ہو کہ شیخ جمال الدین ساوی جو فرقہ قلندریہ کے پیشوا ہیں، نہایت خوشرو آدمی تھے، اسلئے
ساوہ کی ایک عورت ان پر فریفتہ ہوگئی، اور ان کو اپنی طرف ہر ممکن طریقہ سے مائل کرنے لگی، لیکن یہ برابر انکار
اور بے اعتنائی کرتے رہے، جب وہ عاجز آگئی، تو اوس نے اس غرض کیلئے ایک بڑھیا عورت کو مقرر کیا چنانچہ
جس راستے سے وہ مسجد کو جایا کرتے تھے، بڑھیا اسی راستے کے ایک گھر کے مقابل ایک سر بند خط لیکر کھڑی ہوگئی،
جب وہ گذرے تو اوس نے کہا کہ آپ پڑھ سکتے ہیں، ؟ جواب اثبات میں ملا، تو اوس نے کہا کہ "یہ خط میرے لڑکے
نے مجھے بھیجا ہی میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے پڑھکر سنا دیں"، انھوں نے خط کھولا تو اس نے کہا کہ "میری بہو بھی اسی گھر
میں ہو، اگر آپ گھر کے اندر آکر خط پڑھتے، تو وہ بھی سن لیتی"، انھوں نے اوسکی یہ درخواست منظور کر لی، لیکن جونہی
وہ دروازے کے اندر داخل ہوئے، بڑھیا نے دروازہ بند کر لیا، اور وہ عورت اپنی لونڈیوں کے ساتھ نکلی، اور وہ
سب ان سے لپٹ گئیں، اور اوس نے ان کو گھر کے اندر لیجا کر اپنی طرف مائل کرنا شروع کیا، جب انھوں نے نجات
کی کوئی صورت نہیں دیکھی، تو اس سے کہا کہ "میں ذرا پاخانے میں جانا چاہتا ہوں"، اوس نے پاخانہ کا راستہ دکھا دیا

[1] مقریزی جلد ۴ ص ۳۰۱،

اور وہ پانی لیکر اوس کے اندر گئے، ساتھ استرا تھا، اوس سے اپنی ڈاڑھی اور ابرو مونڈ ڈالے، اس حالت میں نکلے
تو شکل نہایت بدنما ہوگئی تھی، عورت نے اس حرکت کو ناپسند کیا، اور ان کو گھر سے نکلوا دیا، اور اس طرح وہ ارتکاب
گناہ سے محفوظ رہے، اس کے بعد اونھوں نے یہی وضع اختیار کرلی، اور یہ اون کے پیروؤں کا عام شعار ہوگیا،[1]

مقریزی نے لکھا ہو کہ یہ بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی، اور دمشق میں سنہ ۶۱۰ھ میں اس کا ظہور ہوا،[2]

تصوف کا یہ دور جو متوسطین و متاخرین کا دور کہا جاتا ہو، تیسری صدی کے بعد شروع ہوا، اور آجتک قائم ہے،
اور اس دور کی خصوصیات حسب ذیل ہیں،

نظام خانقاہی | نفحات الانس میں ابو ہاشم صوفی کے تذکرہ میں لکھا ہو:-

"اول خانقاہی کہ برائے صوفیان بنا کردند آنست کہ برملہ شام کردند"

علامہ ابن تیمیہ نے امام معمر بن زیاد کی کتاب اخبار الصوفیہ کے حوالہ سے لکھا ہو کہ صوفیہ کیلئے سب سے پہلے بصرہ میں گھر
بنائے گئے،[3] اور مقریزی کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہو، کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ان عبادتخانوں کی بنیادیں قائم ہوئیں
چنانچہ وہ لکھتا ہو کہ سب سے پہلے عبادت کیلئے زید بن صعرہ نے گھر بنایا، جسکی وجہ یہ ہوئی، کہ اوس نے دیکھا کہ بصرہ کے
چند لوگ صرف عبادت میں مشغول رہتے ہیں، نہ کوئی تجارت کرتے، نہ انکی اور کوئی آمدنی ہو، اسلئے اوس نے ان
کیلئے گھر بنوا دئے، اور اون کے کھانے کپڑے کا سامان کر دیا، ایک دن وہ ان کی زیارت کو آیا، اور ان کے متعلق دریافت
کیا، تو معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عامرؓ نے جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے بصرہ کے عامل تھے، اون لوگوں کو بلایا ہے
وہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابن عامر تم اس قوم سے کیا چاہتے ہو، انھوں نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ لوگ
مجھ سے تقرب حاصل کریں، اور مجھ سے سفارش کریں تو میں ان کی سفارش قبول کروں، مجھ سے سوال کریں تو میں انھیں
جواب دوں، مجھے مشورہ دیں، تو میں ان کا مشورہ قبول کروں، اوس نے کہا "ایسا نہیں کرنا چاہیے، کہ ایک قوم جو صرف
خدا کی ہو رہی ہو، اسکو آپ اپنی دنیا میں آلودہ کریں، اور اپنے کاموں میں ان کو شریک کریں، یہاں تک کہ جب

[1] ابن بطوطہ جلد اول ص ۲۰۱، ۲۰۲، [2] مقریزی جلد ۴ ص ۳۰۲، [3] فتاوی ابن تیمیہ جلد ۲ ص ۴۷۰

ان کا دین برباد ہو جائے، تو آپ اُن سے روگردانی کریں، اور وہ نہ دنیا کے رہیں نہ آخرت کے اٹھو اور اپنی جگہ پر جاؤ، چنانچہ یہ لوگ اوٹھ کر چلے گئے، اور ابن عامر کچھ نہ بولے[1] لیکن عام اصطلاحی معنوں میں ان کو خانقاہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اسلام کی تاریخ میں مدارس وغیرہ کی طرح خانقاہوں کا ایک مستقل نظام ہے، اور یہ نظام ۔۔۔ھ میں قائم ہوا، اور اس نے دولت سلجوقیہ میں نہایت ترقی کی، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

"زمانہ آگے بڑھ گیا، اور امت میں تفریق ہو گئی، اور ہر قوم نے دین کا ایک شعبہ لے لیا، جس میں اونہوں نے اضافے کئے، اور دین کے دوسرے شعبہ سے اپنی توجہ پھیر لی، اہل علم کے لئے مدارس قائم کئے گئے، اور اہل عبادت کیلئے رباط اور خانقاہیں تعمیر کی گئیں، میں خیال کرتا ہوں کہ اون کی اشاعت کی ابتدا دولت سلجوقیہ میں ہوئی، اور پہلے پہلے نظام الملک کی وزارت میں مدارس اور مسکینوں کیلئے رباطات قائم کی گئیں، اور اُن پر اوقاف کئے گئے، اس سے پہلے بھی مدارس اور رباطات کا ذکر ملتا ہے، لیکن میرے خیال میں ان پر وقف نہیں کیا گیا تھا"[3]

سلجوقیوں کے بعد نظام خانقاہی کو مصر میں بہت زیادہ ترقی ہوئی، اور اس میں صوفیہ کی تن پروری کے تمام سامان مہیا کئے گئے، مقریزی نے ان خانقاہوں کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، چنانچہ ان میں ایک خانقاہ کے جو حالات لکھے ہیں، اوس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار ناصر محمد بن قلاوون شکار کو جارہا تھا کہ راستے میں سخت علیل ہو کر گھوڑے سے اتر پڑا، اور یہ نذر کی اگر خدا نے اوسکو شفا دی، تو اس جگہ خدا کی عبادت کیلئے ایک عمارت بنائے گا، جب شفا ہو گئی تو خود انجنیروں کیساتھ سوار ہو کر گیا، اور ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی، جسمیں صوفیوں کیلئے سو خلوتیں بنائیں، خانقاہ کے پہلو میں ایک جامع مسجد تیار کرائی، اور حمام اور مطبخ تعمیر کئے، ذوالحجہ ۷۲۳ھ میں تعمیر کا کام شروع ہوا، اور ۷۲۵ھ میں عمارت مکمل ہو گئی، نہایت شاندار طریقہ پر اس کا افتتاح ہوا، تمام امرا، قضاۃ اور مشائخ کو عام پیمانہ پر دعوت دی گئی، اور امرا اور ارباب وظائف کو خلعت عطا ہوئے، رفتہ رفتہ لوگوں نے اس خانقاہ کے ارد گرد مکانات، حمامات، اور دوکانیں تعمیر کرلیں، یہاں تک کہ ایک بڑا شہر آباد ہو گیا، اور ہر جمعہ کو ایک عظیم الشان بازار لگنے لگا، جسمیں گھوڑے، اونٹ گدہے، بیل بکری، مرغی، بط، اور مختلف قسم کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں، اور اس خانقاہ کے احترام میں کسی چیز پر کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا، صوفیوں کے آرام و آسائش کا جو سامان کیا گیا تھا، اوسکی تفصیل یہ ہے، کہ ہر صوفی کو روزانہ بکری کا ایک رطل عمدہ پکا ہوا گوشت، چار رطل میدے کی روٹی ماہوار چالیس درہم، ایک رطل شیرینی، دو رطل زیتون کا تیل، اسی قدر صابون، سالانہ کپڑے کی قیمت، رمضان عیدین رجب شعبان اور عاشورا کی تقریبات میں اس پر اضافہ، موسمی پھلوں کی قیمت ملتی تھی، خانقاہ میں ایک توشہ خانہ تھا، جسمیں شکر، مختلف قسم کے شربت اور دوائیں موجود رہتی تھیں، اور جراح کحال اور حجام بھی موجود رہتے تھے، اور ہر رمضان میں صوفیوں کے پانی پینے کیلئے کوزے ملتے تھے، تانبے کی پتیلیوں پر قلعی کرائی جاتی تھی، ہاتھ دھونے کیلئے اشنان ملتا تھا، حمام میں صوفیوں کے بدن ملنے اور بال مونڈنے کیلئے حجام مقرر تھے، اور اس طرح اس خانقاہ کے صوفی تمام ضروریات سے بے فکر ہو کر صرف عبادات الٰہی میں مصروف رہتے تھے،[1]

مصر کے نظام خانقاہی پر ابن بطوطہ نے بھی ایک مفصل مضمون لکھا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ مصر کے امرا زاویوں کی تعمیر میں جسکو یہ لوگ خانقاہ کہتے ہیں، باہم مقابلہ کرتے ہیں، اور مصر کا ہر زاویہ فقرا کے ایک گروہ کیلئے معین ہے، جنمیں زیادہ تر عجمی ہوتے ہیں، یہ لوگ تصوف کے طریقے پر اہل ادب اور اہل معرفت ہوتے ہیں، اور ہر زاویہ میں ایک شیخ اور ایک پہرہ دار ہوتا ہے، اور ان کے امور کی ترتیب عجیب ہے، کھانے کے متعلق ان کی عادت یہ ہے کہ زاویے کا خادم صبح کے وقت فقرا کے پاس آتا ہے، اور ان میں جس شخص کو جو غذا مرغوب ہوتی ہے، اوس کو وہ متعین کر دیتا ہے، جب سب کھانے کیلئے جمع ہوتے ہیں، تو ہر شخص کیلئے روٹی اور سالن الگ الگ برتن میں دیا جاتا ہے، جسمیں اوس کا کوئی شخص شریک نہیں ہوتا، ان لوگوں کو دن میں دو بار کھانا ملتا ہے، جاڑے اور گرمی کا کپڑا اور بیس سے لیکر تیس درہم تک، ماہوار وظیفہ ملتا ہے، ہر جمعرات کو مٹھائی، کپڑے دھونے کیلئے صابون

---

[1] مقریزی جلد ۴ صفحہ ۲۷۳ [2] مقریزی جلد ۴ صفحہ ۲۷۱ [3] فتاوی ابن تیمیہ جلد ۴ صفحہ ۴۵۹،

[1] مقریزی جلد ۴ ص ۲۸۵، ۲۸۶،

حمام میں جانے اور چراغ جلانے کیلئے تیل کی قیمت ملتی ہے، یہ لوگ بن بیاہے ہوتے ہیں، اور جن کے پاس بیبیاں ہوتی ہیں، ان کے زاویے الگ ہوتے ہیں، ان کیلئے نماز پنجگانہ کی حاضری، رات کو زاویہ میں قیام اور زاویہ کے اندر میں اجتماع ضروری ہے،

ان کی یہ بھی عادت ہے کہ ہر شخص ایک مخصوص سجادے پر بیٹھتا ہے، اور جب نماز صبح پڑھ چکتے ہیں تو سورۂ فتح، سورۂ ملک اور سورۂ عم پڑھتے ہیں، پھر قرآن مجید کے اجزاء لائے جاتے ہیں، اور ہر فقیر ایک جزو لے لیتا ہے اور قرآن مجید کو ختم کرکے ذکر کرتے ہیں، پھر قرّاء اہل مشرق کی عادت کے موافق پڑھتے ہیں، اور یہ لوگ نماز عصر کے بعد بھی ایسا ہی کرتے ہیں؛

نووارد مسافر کیساتھ ان کی عادت یہ ہے کہ وہ زاویہ کے دروازے کے پاس آتا ہے، اور اس طرح کھڑا ہوجاتا ہے، کہ اسکی کمر بندھی ہوئی ہوتی ہے، کاندھے پر ایک سجادہ، داہنے ہاتھ میں ایک عصا، اور بائیں ہاتھ میں ایک لوٹا ہوتا ہے، اب دربان زاویہ کے خادم کو اوس کے آنے کی اطلاع دیتا ہے، اور وہ آکر اوس سے پوچھتا ہے کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور کس طریقے کے زاویے میں اترے ہو؟ تمھارا کون شیخ ہے؟ جب اوس کے جواب کی صحت معلوم ہوجاتی ہے، تو اسکو زاویہ کے اندر داخل کرتا ہے، مناسب مقام پر اس کا سجادہ بچھا دیتا ہے، اور اوسکو طہارت خانہ دکھا دیتا ہے، وہ وضو کرکے اپنے سجادہ پر آتا ہے، اور اس کے بیچ میں بیٹھ جاتا ہے، اور دو رکعت نماز پڑھ کے شیخ اور حاضرین سے مصافحہ کرتا ہے، اور ان کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے، ان کی یہ بھی عادت ہے کہ جمعہ کے دن خادم اون کے تمام سجادوں کو لیکر مسجد میں جاتا ہے، اور ان کو بچھا دیتا ہے، یہ لوگ اپنے شیخ کیساتھ نکلتے ہیں، اور مسجد میں اگر ہر شخص اپنے سجادہ پر نماز پڑھتا ہے، جب نماز سے فارغ ہوچکتے ہیں، تو اپنی عادت کے موافق قرآن پڑھتے ہیں، پھر اپنے شیخ کیساتھ زاویے کی طرف اکٹھے واپس آتے ہیں؛[1]

۲- امرد پرستی: مصر کی ایک جدید کتاب میں لکھا ہے کہ عجمیوں کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے اسلام

[1] ابن بطوطہ جلد اول ص ۲۳، ۲۴،

میں جو بد عادتیں پیدا ہوئے، ان کے اثر کو تصوف و شعوبیت نے نمایاں کیا،[1] اسلئے امرد پرستی کا مذاق جو ایرانیوں کا قومی مذاق تھا، اس سے متصوفین بھی قدرتی طور پر متاثر ہوئے، اسکے ساتھ ان کو نوخیز امردوں سے ہمیشہ سابقہ رہتا تھا، کیونکہ یہ لوگ زہد و ارادت کے خیال سے ان کی صحبتوں میں زیادہ تر حاضر رہا کرتے تھے، اسلئے ان کو جلوت و خلوت میں ان کے حسن و جمال سے متمتع ہونے کا موقع ملا کرتا تھا، ارباب حلول واتحاد میں سے بھی بہت سے لوگ ان میں شامل ہوگئے تھے، جن کا خیال تھا، کہ خداوند تعالیٰ حسینوں کے جسم میں حلول کرجاتا ہے اسلئے وہ امردوں کی نظربازی کو جائز رکھتے تھے، بلکہ ابن طاہر نے جو اباحیہ فرقے کا ایک آدمی تھا، اسکے جواز میں ایک کتاب بھی لکھی تھی، لیکن جبتک قدماء کا دور قائم رہا، تصوف کے دائرے میں یہ بدعت پھیلنے نہ پائی، بلکہ وہ لوگ ہمیشہ اپنے تلامذہ و اصحاب کو اس سے روکتے تھے، چنانچہ ایک بار یوسف بن حسین رحمہ اللہ نے اپنے تلامذہ کو یہ ہدایت کی کہ امردوں کی صحبت میں نہ رہو، سری سقطی نے فرمایا کہ "امردوں کے چہروں کو نہ دیکھو"،[2] ابن الجلاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے استاد کے ساتھ جارہا تھا، کہ ایک حسین لڑکے کو دیکھکر کہا کہ اے اوستاد آپ کے خیال میں خدا اس کو بھی عذاب دے گا؟ بولے "اگر تم نے اوس پر نظر ڈالی ہے تو عنقریب اس کا انجام بھی دیکھوگے" چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اسکے ۲۰ سال بعد میں قرآن بھول گیا؛[3]

ابوبکر محمد بن موسیٰ الواسطی کا قول ہے کہ جب خدا کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے، تو ان مرداروں یعنی امردوں کی صحبت میں ڈال دیتا ہے،[4] لیکن قدماء کے بعد متصوفین میں یہ وبا شدت کیساتھ پھیلی، اور ان میں مختلف لوگوں نے مختلف اغراض سے امرد پرستی کو اپنا شعار بنالیا،

(۱) ایک تو وہی حلولیہ فرقہ کے لوگ تھے، جو درحقیقت صوفی نہ تھے، بلکہ صوفی بن گئے تھے، ان کا خیال تھا کہ خدا اجسام میں حلول کرتا ہے، اور ان میں بعض لوگوں نے اس اصول کے لئے حسن صورت کی تخصیص کرلی تھی،

[1] فجر الاسلام باب ثالث [2] کتاب اللمع ص ۲۰۲ [3] رسالہ قشیریہ ص ۱۴۲، [4] ص ۲۹

۲- دوسرے وہ لوگ تھے، جو صوفی نہ تھے، لیکن صوفیوں کی وضع فسق و فجور کیلئے اختیار کر لی تھی،

۳- تیسرے وہ لوگ تھے، جو حسین چیزوں کو دیکھنا مباح سمجھتے تھے، اور اس قسم کی موضوع حدیثیں بیان کرتے تھے، "نیکی کی تلاش حسین چہرے والوں کے پاس کرو، تین چیزیں نگاہ کو روشن کرتی ہیں، سبزہ، پانی، اور حسین چہرے کا دیکھنا"

۴- چوتھے وہ لوگ تھے، جو امردوں کو کسی بری نیت سے نہیں دیکھتے تھے، بلکہ بہ نظر عزت دیکھتے تھے، یہاں تک کہ اس گروہ میں بعض لوگ صرف حسن صورت پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ امردوں کو زیورات اور رنگین کپڑے پہنا کر دیکھتے تھے، اور کہتے تھے، کہ اس نظر و اعتبار سے صانع پر استدلال کرنے سے ایمان بڑھتا ہو، ایک بار ایسی جماعت کے ایک شخص نے ایک حسین لڑکے کو دیکھا، تو اسکی طرف ٹکٹکی بندھ گئی، اور اس کے قریب گئے، اور خدا کا واسطہ دلاکر کہنے لگے کہ ٹھہر جا کہ میں تجھ سے اپنی نظر کو سیراب کر لوں، وہ تھوڑی دیر تک ٹھہر ایا، پھر چلنے لگا، تو خدا کا واسطہ دلاکر اوسکو ٹھہرالیا، اور اسکو نیچے سے اوپر تک دیکھنے لگے، وہ پھر چلنے لگا تو اوسکو پھر خدا کا واسطہ دیکر ٹھہرایا، اور دیر تک اسکی طرف دیکھتے رہے، وہ پھر چلا، تو خدا کا واسطہ دلاکر اوسکو ٹھہرایا، اور اسکی طرف دیکھتے رہے، پھر نگاہ نیچی کر لی، اور وہ چلا گیا، تو دیر کے بعد روتے ہوئے سر اٹھایا، اور کہنے لگے، کہ اُسنے مجھکو اس دیکھنے سے ایسا چہرہ دکھا دیا جو تشبیہ، تمثیل اور تحدید سے بالاتر ہے،

۵- پانچویں وہ لوگ تھے، جو امردوں کو اپنی صحبت میں تو رکھتے تھے، لیکن اپنے آپ کو ہر قسم کی آلودگی سے محفوظ رکھتے تھے، اور اوس کو ایک قسم کی ریاضت اور مجاہدہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک بہت بڑے سیاح کا بیان ہو، کہ مجھکو ایک صوفی کی صحبت میں جس کا نام مہرجان تھا، رہنے کا اتفاق ہوا، یہ شخص پہلے مجوسی تھا، پھر مسلمان ہو کر صوفی ہو گیا، میں نے اوسکے ساتھ ایک حسین لڑکے کو دیکھا، جس سے وہ کبھی جدا نہیں ہوتا تھا، رات ہوتی تھی، تو وہ اٹھکر نماز پڑھتا تھا، پھر اوسکے پہلو میں سو رہتا تھا، پھر گھبرایا ہوا اٹھتا تھا، اور نماز پڑھکر اس کے پہلو میں محو خواب ہو جاتا تھا، یہی حرکت اوس نے متعدد بار کی، اور جب طلوع فجر کا وقت آیا، تو اوس نے وتر پڑھی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی، کہ خداوند تو جانتا ہو کہ میری رات محفوظ طریقہ پر گذر گئی، میں نے اس میں کوئی بدکاری نہیں کی، اور فرشتوں نے اسمیں میرا کوئی گناہ نہیں لکھا، حالانکہ میرے دل میں جو جذبات پوشیدہ تھے، اگر وہ پہاڑ کے اوپر لادے جاتے، تو وہ پھٹ جاتا، اور زمین شق ہو جاتی، پھر کہا کہ اس رات میں نے تجھ میں جو کچھ کیا اسکی گواہ، خوف الٰہی نے مجھکو حرامکاری سے باز رکھا،

۶- چھٹے وہ لوگ تھے، جو بالقصد لونڈوں کو صحبت میں نہیں رکھتے تھے، بلکہ لونڈے توبہ کرکے زہد و عبادت کے لئے ارادت مندانہ خود ان کی صحبت اختیار کرتے تھے، اور یہ لوگ ان کو اس مقصد کی تکمیل سے نہیں روکتے تھے، پھر بلا قصد جب ان پر بار بار نظر پڑتی تھی، تو قلب میں خیالات فاسدہ پیدا ہو جاتے تھے،

۷- ساتویں وہ لوگ تھے، جو یہ جانتے تھے، کہ لونڈوں کی صحبت اور نظر بازی جائز نہیں، لیکن بایں ہمہ وہ اس پر اضطراراً مجبور ہو جاتے تھے، چنانچہ یوسف بن حسین فرماتے ہیں، کہ جو کچھ مجھے کرتے دیکھو اسکو کرو، بجز لونڈوں کی صحبت کے کہ وہ سب سے بڑا فتنہ ہے، میں نے سو بار سے زیادہ اپنے خدا سے معاہدہ کیا کہ لونڈوں کی صحبت نہ اختیار کروں گا، لیکن رخساروں کے حسن، قدوں کی رعنائی، اور آنکھوں کے ناز و انداز نے میرے اس عزم کو فسخ کر دیا،

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت کم صوفی اس فتنہ سے محفوظ رہے،[۱] اور حسن پرستی اور امرد پرستی تصوف کی ایک عام خصوصیت ہو گئی، چنانچہ ہندوستان کے صوفیہ میں ایک بزرگ شاہ رحمت اللہ قدس سرہٗ کے حال میں لکھا ہو کہ وہ ایک لونڈے سے تعلق خاطر رکھتے تھے، لیکن اوس کے ساتھ کبھی تنہا نہیں بیٹھتے تھے، اور جب تک کوئی تیسرا شخص موجود نہ ہو، اسکو اپنی صحبت میں نہیں آنے دیتے تھے، لونڈا نہایت سیاہ فام تھا، لوگوں نے انکی غیبت میں اعتراض کیا کہ وہ اس سیاہ فام لونڈے کی طرف کیوں نظر التفات رکھتے ہیں، حسن اتفاق کہ شاہ صاحب بھی آگئے، اور معترض کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید" ان کی حسن پرستی

[۱] تلبیس ابلیس باب نقد الصوفیہ فی صحبتہم الاحداث،

کے لئے انسان کی تخصیص نہ تھی، بلکہ ہر حسین چیز پر فریفتہ ہو جاتے تھے، اور فرماتے تھے،

"مرشوق من سلامت، ہر جا نظر می افگنم، تمام حسن بہ نظر می آید"،

چنانچہ ایک بار ناظم صوبہ اودھ کے ہاتھی گذرے، تو ایک ہاتھی ان کو بہت پسند آیا، اور اسکو دیکھتے ہوئے، سات آٹھ کوس تک چلے گئے، فیل بانوں نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ ہاتھی مست ہو، کہیں آپ کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے، بولے تم کو اس سے کیا غرض؟" فیلبانوں نے ہاتھی کو کھڑا کیا، اونھون نے نزدیک جاکر اسکو بغور دیکھا، لیکن ہاتھی بے حس وحرکت کھڑا رہا، فیلبانوں نے یہ حالت دیکھی، تو بہ تواضع پیش آئے، اور اصرار کیا کہ آج ہمارے یہان قیام فرمائے، لیکن انھون نے کہا کہ ہمارا ذوق اسی حد تک تھا، اور واپس آئے[1]،

اس امرد پرستی نے بہت سے جدید الفاظ پیدا کر دئے، جو آج ہماری فارسی شاعری میں مستعمل ہیں، مثلاً شاہد کہ اس کے لفظی معنی شہادت دینے والے کے ہیں، لیکن اب فارسی اور اردو شاعری میں معشوق کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہو، مثلاً

"غافل از صوفیانِ شاہد باز"،

کیونکہ صوفیہ لونڈوں کو اسلئے شاہد کہتے تھے، کہ ان کا حسن خدا کی صنعت وقدرت کی شہادت دیتا ہو، اسلئے رفتہ رفتہ معشوقوں کو شاہد کہنے لگے، انہی لونڈوں کو مظہر بھی کہتے تھے، یعنی یہ کہ وہ حُسن ازلی کا مظہر ہیں،

۳- عرس عشقِ الٰہی کے جذبہ میں یہ خیال قائم کیا گیا، کہ مرنے کے بعد خداوند تعالیٰ کے ساتھ عارف کا وصل ہو جاتا ہو، اسلئے جب کوئی صوفی مرجاتا تھا، تو اس وصل کی مسرت میں تمام صوفیہ دعوتیں دیتے تھے، رقص وسرود کی محفلیں قائم کرتے تھے، اور لہو ولعب میں مشغول رہتے تھے، اور اسکو عرس کہتے تھے، جسکے معنی تقریباً شادی کے ہیں، آجکل صوفیہ کے مزاروں پر جو سالانہ عرس ہوتا ہو اسکی بنیاد یہی ہے،

(باقی)

[1] ماثر الکرام جلد اول تذکرہ شاہ رحمت اللہ

خاکِ ملتان

از مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی

معارف نمبر ۳ جلد ۳۵ (مارچ ۱۹۳۵ء) میں گلِ ملتانی کے عنوان سے جو مکتوب شائع ہوا ہے، اسمیں حسب ذیل چند امور قابل بحث ہیں، صفحہ ۲۱۱ پر درج ہے:

مقبرہ فیروز شاہ تغلق "علاوہ ازین شاہ رکن عالم کا مقبرہ فیروز شاہ تغلق نے اپنے لئے تیار کرایا تھا، جو انکی وفات کے بعد اسکے بیٹے محمد تغلق نے شاہ رکنِ عالم کو نذر کر دیا"

یہ بیان صحیح نہیں ہو، خاندانِ تغلق میں دو محمد شاہ ہوئے ہین، اول فخر الدین جونا محمد شاہ تغلق متوفی ۷۵۲ھ بن سلطان غیاث الدین تغلق متوفی ۷۲۵ھ، دوسرا ناصر الدین محمد شاہ تغلق متوفی ۷۹۶ھ بن فیروز شاہ تغلق متوفی ۷۹۰ھ، اور شریعت پناہ شیخ رکن الدین رکن عالم رح کی وفات ۷۳۵ھ میں فخر الدین محمد شاہ اول بن سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں ہوئی[1]، اس لئے وہ محمد شاہ تغلق جو شیخ کے دفن کیلئے تعمیر شدہ مقبرہ نذر کر سکتا، وہ محمد شاہ تغلق اول بن سلطان غیاث الدین تغلق ہو، کہ محمد شاہ تغلق ثانی بن فیروز شاہ تغلق جو شیخ کی وفات کے ۵۵ برس بعد تخت نشین ہوا،

اب قابلِ بحث یہ مسئلہ ہے، کہ کیا سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے لئے ملتان مین کوئی مقبرہ بنایا تھا،؟ تو اس سوال کا جواب تاریخوں سے نہیں ملتا، البتہ یہ زبان زد عام وخاص ہے[2]، اور اسلئے ایسا ہونا ممکن ہے، اور قیاسات اس کے مؤید ہیں،

فرشتہ راوی ہو کہ غیاث الدین تغلق کا باپ ملک تغلق، سلطان بلبن کے غلاموں میں سے تھا، اُسنے کسی جٹ (کاشتکار) کی لڑکی سے شادی کی جس سے سلطان غیاث الدین تغلق پیدا ہوا[3]، ابن بطوطہ لکھتا ہو:- ...

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم تاریخ سندھ صفحہ ۱۵۸ البلی، [2] حاشیہ ترجمہ اردو ابن بطوطہ جلد ۲ باب ۳۴ [3] فرشتہ بیان تغلق جلد اول نولکشور

"تغلق بہت مفلس تھا، سندھ میں آیا تو کسی سوداگر کا گلہ بان ہو گیا، یہ سلطان علاء الدین کے زمانہ کا ذکر ہے، اس زمانہ میں بادشاہ کا بھائی الغ خاں سندھ کا حاکم تھا، تغلق (غیاث الدین تغلق) اس کے خادموں میں داخل ہو گیا، پہلے پیادوں میں بھرتی ہوا، پھر جب الغ خاں کو اسکی شرافت معلوم ہوئی تو سواروں میں ترقی دی، پھر اسکو افسر بنا دیا، پھر میر آخور (داروغہ اصطبل جو اس عہد میں ایک بڑا عہدہ تھا) اور آخر کار امرائے عظیم الشان میں سے ہو گیا، میں نے ملتان میں تغلق کی بنائی ہوئی مسجد میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے، کہ اس نے ۲۸ دفعہ تاتاریوں سے لڑکر انکو شکست دی اسلئے ملک غازی کا خطاب حاصل کیا[1]"

مذکورۂ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ یا تو سلطان بلبن کے بعد انقلاب کے باعث تغلق کا خاندان سندھ[2] چلا گیا یا بہت ممکن ہے کہ بلبن کے لڑکے محمد خان شہید کیساتھ یہ لوگ ملتان گئے ہوں، اور وہیں رہ پڑے ہوں،

الغ خاں ۶۹۵ھ کے آخر میں ملتان پہنچا تھا، غالباً اسی وقت سے تغلق سلک ملازمین میں شامل ہوا، لیکن الغ خاں جلد ہی دہلی واپس آیا، اور ظفر خاں سرحدی صوبہ (سمانہ، پنجاب، ملتان وغیرہ) کا مستقل حاکم ہوا، جب ۶۹۹ھ کے آخر میں قتلق خواجہ (تاتاری) کی جنگ میں ظفر خاں شہید ہوا، تو ملک غیاث الدین تغلق اوس کا قائم مقام ہوا، یہ قائم مقامی کب تک رہی، کچھ معلوم نہیں لیکن یہ محقق ہے کہ وہ ۷۰۲ھ میں میر آخور تھا[3]، ترپال خواجہ کی جنگ ۷۰۲ھ کے بعد یہ مستقل طور پر سرحدی صوبہ کا گورنر ہوا، اور سلطان علاء الدین خلجی متوفی ۷۱۶ھ کے عہد تک وہ اسی عہدہ پر رہا، جیسا کہ ابن بطوطہ کا بیان ہے، سلطان قطب الدین خلجی متوفی ۷۲۰ھ کے عہد میں دیپالپور (پنجاب) کا حاکم ہوا، میرے خیال میں سلطان غیاث الدین تغلق کی حکومت ملتان میں ۷۱۳ھ سے ۷۲۵ھ تک یعنی بارہ برس ہوتی ہے، ایسی حالت میں تغلق کا اپنے لئے ملتان میں ایک مقبرہ بنوانا کوئی تعجب[4] نہیں ہو سکتا، لیکن چونکہ تاتاری حملوں سے کوئی سال خالی نہیں جاتا تھا، غالباً یہی مقبرہ ہوگا جسکو سلطان محمد تغلق بن سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت شیخ رکن الدین کو نذر کیا ہو[5]،

[1] ابن بطوطہ باب ۴ [2] تاریخ ہند [3] فرشتہ جلد اول بیان تغلق نولکشور [4] ترجمہ اردو سفرنامہ ابن بطوطہ کا حاشیہ حق ۹ مطبوعہ دہلی

قرامطہ، اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے، کہ قرامطہ نے محمد بن قاسم کی جامع مسجد بند کرا دی، اسمٰعیلیوں کے لئے لفظ قرامطہ استعمال کرنے میں اکثر مؤرخوں نے غلطی کی ہے، حالانکہ قرامطہ کی حکومت ہندوستان میں کبھی نہیں ہوئی، ملتان و سندھ پر جن لوگوں کا قبضہ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ہوا تھا، وہ درحقیقت اسمٰعیلی فاطمی تھے، جن کا براہ راست تعلق مصر کے خلفائے فاطمیہ سے تھا، چنانچہ بشاری مقدسی جب ۳۷۵ھ میں ملتان آیا ہے تو یہاں کے متعلق تحریر کرتا ہے،

ملتان میں خطبہ مصر کے فاطمی خلیفہ کا پڑھتے ہیں، اور اسی کے حکم سے یہاں کا بندوبست ہوتا ہے اور یہاں سے برابر تحفے اور ہدایا مصر کو بھیجے جاتے ہیں[1]،

اسمٰعیلی تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ انقلاب خلیفہ العزیز باللہ متوفی ۳۸۶ھ کے عہد میں ہوا، اور اسی وقت سے اسمٰعیلیوں کا قبضہ ملتان پر مستقل طور سے ہو گیا، اسکے علاوہ اسمٰعیلی تاریخوں میں جہاں جہاں جزائر ثلاثہ کا ذکر آتا ہے وہاں ہمیشہ ان سے یمن، گجرات اور سندھ (ملتان و منصورہ) مراد ہوتی ہے[2]، اصلی قرامطہ کی ہنگامی حکومت صرف بحرین میں محدود رہی، پنجاب، خراسان اور ایران کی تاریخوں میں جن قرامطہ کا نام آتا ہے، وہ درحقیقت اسمٰعیلیوں کا وہ فرقہ نزاریہ ہے، جو حسن بن صباح کا پیرو ہے، اور جس کو باطنیہ، فدائی، حشاشین، اور ملاحدہ وغیرہ کہتے ہیں، چونکہ بنی عباس اور اسمٰعیلی بنی فاطمہ میں رقابت تھی، اس لئے خلفائے فاطمیین کو محض بدنام کرنے کیلئے قرامطہ کہتے تھے،

اس شہرت عام کے لحاظ سے ہندوستان کے اسمٰعیلی حکمرانوں کو بھی قرامطہ کہہ سکتے ہیں، مگر درحقیقت قرامطہ نہ تھے،

ملتان کا بتخانہ، ملتان ۹۳ھ میں محمد بن قاسم نے فتح کیا، اور اسکے بعد دیگرے بنی امیہ اور بنی عباس کے حکام آتے رہے، زوال بنی عباس پر بنو منبہ (قریش) کی خود مختار حکومت رہی، تقریباً ۳۷۵ھ میں جلم بن شیبان اسمٰعیلی

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۱ [2] ستہ رسائل مصنفہ فرج بن مالک کے ابتدائی صفحات،

اس پر قابض ہوگیا، چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کی ابتدا میں غزنوی حکام کے قبضہ میں آیا، سلطان عبد الرشید غزنوی (تقریباً ۴۴۴ھ) کے عہد میں اس پر سومرہ خاندان (اسماعیلی) حکمران ہوا، ۵۷۱ھ میں اوسکی حکومت شہاب الدین غوری کے قبضہ میں آئی، پھر اوس کے غلام قابض رہے، سلطان التمش کے عہد سے چونکہ تاتاریوں کا حملہ شروع ہوگیا، اسلئے اوس کو مستقل سرحدی صوبہ کا مرکز قرار دیا گیا، بلبن خلجی تغلق کے عہد تک دہلی کے گورنر یہاں حکومت کرتے رہے،

سادات کے بعد نوین صدی کے وسط (۸۴۷ھ) میں خاندان لنگاہ کی خود مختار حکومت قائم ہوئی، عہد ہمایوں میں پھر دہلی کے ماتحت ہوگیا، اور دیوان چند جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک جنرل تھا، کے فتح ملتان تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا، (تقریباً ۱۸۱۸ء)

سیاحوں اور مورخین اسلام نے اس کو تصریح سے لکھا ہے، کہ ملتان کا مشہور بت خانہ تقریباً ۴۱۵ھ تک موجود تھا،[1]

اسماعیلی قبضہ کے بعد وہ منہدم کر دیا گیا، اور اوسکی جگہ ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی، لیکن محمود غزنوی نے اس مسجد میں جمعہ وجماعت کو موقوف کر کے محمد بن قاسم کی جامع مسجد کو از سر نو آباد کیا،[2] اس واقعہ کے بعد کسی تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہے، کہ مسجد کی جگہ پھر کبھی بتخانہ بنایا گیا ہو، جیسا کہ گل بتانی میں ذکر کیا گیا ہے، اور چونکہ پہلی صدی سے لیکر بارھوین صدی کے آخر تک ملتان برابر مسلمانوں ہی کے قبضہ میں رہا، جیسا کہ اوپر دکھایا گیا، اسلئے بلا ثبوت کسی طرح یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ اسماعیلیوں کی بنوائی ہوئی جامع مسجد کی جگہ مسلمانوں نے پھر دوبارہ بتخانہ تعمیر کرنے دیا ہو، اسلئے میرا خیال ہے کہ جن سیاحوں نے پانچویں صدی کے بعد اس بتخانہ ملتان کا ذکر کیا ہے دراصل اس معاملہ میں انکو غلط فہمی ہوگئی ہے اور کسی دوسرے بتخانہ کو وہ مشہور بتخانہ سمجھ لیا، جو محمد بن قاسم کے عہد سے چلا آتا تھا، جیسا کہ سومناتھ (کاٹھیاواڑ) اور دیگر بتخانوں کی نسبت بھی اسی قسم کی اکثر غلط فہمیاں ہوئی ہیں،

[1] بشاری مقدسی ص ۴۸۳، [2] کتاب الہند بیرونی ص ۵۶

تلخیص و تبصرہ

عہدِ قدیم اور قرونِ وسطیٰ میں ہندوستان کا تعلیمی نظام

اس موضوع پر ڈاکٹر جیمس کزنس (DR. JAMES COUSINS) کا ایک دلچسپ مضمون رسالہ ہندوستان ریویو (اپریل ۳۵ء) میں شائع ہوا ہے، جسمیں موصوف نے ویدک اور بودھ زمانون کے تعلیمی نظام کا ایک خاکہ پیش کیا ہے، مضمون کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

ہندوستان کی تعلیم کا بنیادی اصول یہ تھا کہ طالب علم ایک روحانی شخصیت ہے، تمام علوم وفنون کی اصل مذہب تھا، اور ان کی تمام شاخیں بالآخر مذہب ہی کی جانب رہنمائی کرتی تھیں، اسی لئے نصاب تعلیم بھی اپنی اصل اور مقصد کے لحاظ سے مذہبی تھا، تعلیم کا مقصد خدمت خلق اور انسان کی بلند فطرت کو اسکے نفس کی غلامی سے آزاد کرنا تھا، تعلیم نہ تو بعض چیزون کے رٹ لینے کا نام تھا، اور نہ استعداد ذہنی کو ترقی دینے کا، بلکہ وہ ایک ذریعہ تھی انسانی روح کو جہالت اور نااہلیت کی زنجیرون سے آزاد کرنے کا، چنانچہ اسی تزکیہ کی بنا پر لفظ شتکا (SHATAKA) جو ایک فاضل تعلیم کے معنی میں استعمال ہوتا تھا، اوس شخص کیلئے بھی بولا جانے لگا جس نے غسل کر لیا ہو اور اسی وجہ سے گرو کے مختلف معنوں میں تزکیہ کرنے

والے کے معنی بھی داخل ہو گئے،

ویدک اور بودھ نصاب تعلیم میں صفائی اور طہارت پر بہت زور دیا جاتا تھا، اور تعلیم سے زیادہ تربیت کا لحاظ رکھا جاتا تھا، غالباً اسی خیال سے جب بنارس کے راجہ برہم دت نے اپنے لڑکے کو تعلیم کیلئے ٹکیسلا روانہ کیا، تو اس نے علوم عقلیہ کی تحصیل کی نسبت کوئی ہدایت نہیں کی، بلکہ شہزادہ سے صرف یہ کہا کہ وہ اُسے ایک ایسی جگہ بھیج رہا ہے، جہاں طلبہ اپنے غرور اور خود رائی کو مٹانا، اور گرمی و سردی کی شدت کو برداشت کرنا سیکھتے ہیں اور جہاں انھیں زندگی کے طریقے سکھائے جاتے ہیں، پھر جس قسم کی روحانی تعلیم مقصود تھی، اُسی کے اعتبار سے اُس نے شہزادہ کا سامان سفر بھی مرتب کیا، جو ایک جوڑا کھڑاؤں اور پتوں کی ایک چھتری پر مشتمل تھا، ایک ہزار سکے بھی ساتھ کر دیئے، مگر شہزادہ کیلئے نہیں اسکے گرو کیلئے،

تعلیم میں جیسا کہ دھرم شاستر سے معلوم ہوتا ہے، سادگی، متانت و سنجیدگی، اور بڑوں کی توقیر و احترام پر خصوصیت کیساتھ زور دیا جاتا تھا، معاشرت کے آداب سخت تھے، حفظان صحت کی بنا پر مجمع میں کھانسے اور تھوکنے کی ممانعت تھی، دوسروں کی خدمت کرنا ایک اچھا کام سمجھا جاتا تھا، جس سے محنت و مزدوری منزہ ہو گئی تھی، صحت کا بہت خیال رکھا جاتا تھا، اور طلبہ کو غذا عمدہ اور کافی مقدار میں دیجاتی تھی،

تعلیم عموماً بلا معاوضہ تھی، یہ صحیح ہے کہ کتابوں میں مختلف قسم کے "گرو دکشنا" کا ذکر آیا ہے، مثلاً مدت تعلیم کی ابتدا، یا اختتام پر گرو کو ایک رقم دیجاتی تھی، یا دوران تعلیم میں گرو کے لئے طلبہ پڑوسیوں کے گھروں سے کھانا اور جنگل سے لکڑیاں فراہم کرتے تھے، یا تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اسکی خدمت میں کوئی رقم پیش کرتے تھے، لیکن یہ معاوضے صرف یونیورسٹیوں تک محدود تھے، قدیم ترین زمانہ میں عام تعلیم زبانی دیجاتی تھی اور اس میں مذہب اور فنون دونوں کے عناصر شامل ہوتے تھے، ساتویں صدی عیسوی میں مذہبی فرقوں نے عام مدارس قائم کئے، اور انکے علاوہ مٹھوں (خانقاہوں) اور مندروں میں مخصوص مدارس کھولے گئے، جن سے تہذیب و تمدن کی اشاعت ملک کے دور دراز گوشوں تک پھیل گئی، دیہاتی مدرسوں کی تعداد بڑھ گئی، اور دیہاتی ڈراموں (ہری کتھا) کو جو تعلیم کا ایک

ذریعہ تھے، بہت کچھ فروغ ہوا، مندروں کی عمارتوں اور مختلف سنگی مجسموں پر ایسے کتبے کندہ کیے گئے جن سے مذہب کی تلقین ہوتی تھی، بودھ مذہب کے دور تسلط میں یہاں کی خانقاہیں، نہ صرف مذہبی مرکز کی حیثیت رکھتی تھیں، بلکہ تعلیم کا مرکز بھی تھیں، اور تعلیم میں مختلف پیشوں کی تربیت بھی شامل تھی، اشوک کے زمانہ کے جو کتبے موجود ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں اکثر لوگ پڑھ سکتے تھے، مورخ و نسنٹ اسمتھ کا خیال ہے کہ اشوک کے زمانہ میں پڑھے لکھے آدمیوں کا اوسط فی صدی آجکل برطانوی ہند کے بہتیرے صوبوں کے اوسط سے زیادہ تھا،

اس امر کا ثبوت کہ تعلیم زیادہ تر بلا معاوضہ دی جاتی تھی، ان تحریروں سے ملتا ہے، جو شاہی عطیوں نیز مقامی علمی اوقاف سے متعلق اب تک محفوظ ہیں، ہند قدیم کے متعدد فرمانرواؤں نے تعلیم کی اعانت میں بہت کچھ فیاضی دکھلائی، نالندہ (بہار) میں ۴۲۵ء اور اس کے بعد جو چار یونیورسٹیاں ایک کے بعد ایک قائم کی گئیں، اُن سب کو حکومت کی طرف سے شاہانہ عطیے ملے تھے، اسی طرح وکرم سیلا (بہار) کی یونیورسٹی بھی نویں صدی عیسوی میں راجہ دھرمپال نے قائم کی تھی،

چونکہ تعلیم کا مقصد تہذیب و تزکیہ نفس تھا، اسلئے اسمیں مرد و عورت کی تفریق نہ تھی، لڑکیوں اور عورتوں کو بھی وہی تعلیمی حقوق حاصل تھے، جو لڑکوں اور مردوں کو حاصل تھے، اور اسکی متعدد مثالیں ملتی ہیں، کہ عورتیں نمایاں طور پر مردوں سے بڑھ گئیں، چنانچہ وید کے بعض نغمے ان عورتوں کی شان میں ہیں، جنھوں نے زہد و بزرگی میں مخصوص امتیاز حاصل کیا ہے، ویدک عہد کے بعد بہت سی عورتیں معلمہ کی حیثیت سے بھی ممتاز ہوئیں، پاتنجلی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ فن حرب کی تعلیم بھی صرف مردوں کیلئے مخصوص نہ تھی، تاہم عورتوں کے اصلی فرائض گھر ہی سے متعلق سمجھے جاتے تھے،

تعلیم کے معاملہ میں آرین قوم کے مختلف طبقات کی تفریق بھی نہ تھی، سب ایک جگہ بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور ایک جماعت دوسری جماعت کے مخصوص پیشوں کی تعلیم بھی حاصل کرتی تھی، مثلاً برہمن چھتریوں کی تیراندازی کا

فن بھی سیکھتے تھے، البتہ غیر آرین چنڈال الگ رکھے جاتے تھے،

ویدک عہد میں تعلیم بڑے پیمانہ پر نہ تھی، متفرق مقامات پر ایک گرو کیساتھ طلبہ کا حلقہ رہا کرتا تھا، لیکن بتدریج طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، اور ملک میں بڑے بڑے تعلیمی مرکز قائم ہوگئے، جو اپنی وسعت اور ترقی کے لحاظ سے موجودہ زمانہ کی یونیورسٹیوں کے حریف ہوسکتے ہیں، یہ مرکز شہر سے دور قائم کئے جاتے تھے، ٹیکسیلا جو پنجاب میں واقع تھا، کوئی ایک کالج نہ تھا، بلکہ یہ ایک بڑی یونیورسٹی تھی، جسمیں بہت سے کالج شامل تھے، مثلاً ایک کالج طب کی تعلیم کے لئے، دوسرا قانون کی تعلیم کے لئے وغیرہ وغیرہ، برخلاف اسکے نالندہ کی یونیورسٹی صرف ایک ہی بڑے کالج پر مشتمل تھی، جہاں ان باتوں کی تعلیم دی جاتی تھی، "غصہ پر درگذر سے فتح حاصل کرو، بُرے آدمی پر اچھے کاموں سے، بخیل پر داد و دہش سے، جھوٹے پر سچائی سے" دھرم اور ادھرم کا نتیجہ یکساں نہیں ہوسکتا، ادھرم (برا کام) آدمی کو دوزخ میں لیجاتا ہے، دھرم (اچھا کام) جنت میں لیجاتا ہے" مخصوص کالجوں میں برہمن اور چھتری ساتھ تعلیم پاتے تھے، ایک کالج صرف شاہزادوں کی تعلیم کے لئے تھا، بنارس میں موسیقی کا ایک خاص مدرسہ تھا، کالجوں میں طلبہ کی تعداد عموماً پانچ سو ہوتی تھی، مدرس اول کوئی مشہور گرو ہوتا تھا، جس کے ماتحت اُسی کے فارغ التحصیل طلبہ کی ایک جماعت درس و تدریس کے فرائض انجام دیتی تھی،

رگ وید اور بعض اوپانشدون سے معلوم ہوتا ہے، کہ ایک معیاری معلم میں مندرجۂ ذیل اوصاف کا پایا جانا ضروری قرار دیا گیا تھا، اسکے چال چلن پر کوئی دھبہ نہ ہو، وہ ایک مرتب اور متناسب زندگی کا آدمی ہو، دلیر شریف مزاج، اور طاقتور ہو، گفتگو پاک و صاف ہو، عادات سیدھے سادے ہوں، سخی اور خوشدل ہو، طبیعت میں رحائیت کا عنصر غالب ہو، وجیہ ہو، ہمدرد ہو، فاضل ہو، اسی طرح ایک معیاری طالب علم میں بھی ویدک خیال کے مطابق حسب ذیل اوصاف کا ہونا ضروری تھا:- مکمل طور پر تربیت یافتہ ہو، خاموش صلح پسند، سختیوں کو برداشت کرنے والا، زاہد، اور صاحب اخلاق ہو، علم کی طلب میں بھی مخلص ہو، اور اسکے

حصول میں خلوص کیساتھ سعی بھی کرے، صرف مدرسہ کی تعلیم ہی کو تمام تعلیم نہ سمجھتا ہو، کیونکہ جیسا کہ منو کا قول ہے انسان کے علم کا صرف ایک ربع اُستاد سے حاصل ہوتا ہے، بقیہ تین حصے خود اسکی ذات، اسکے ساتھیوں اور کتاب زندگی سے فراہم ہوتے ہیں، اُسے ایک آزاد انسان بھی ضرور ہونا چاہئے، جو امراض سے آزاد ہو غلامی سے آزاد ہو، قرض اور فرض سے آزاد ہو،

طلبہ سولہ سال کی عمر میں ایک سخت امتحان کے بعد کالج میں داخل کئے جاتے تھے، اعلیٰ تعلیم کے لئے داخلہ میں بہت زیادہ سختی برتی جاتی تھی، اور اسی فی صدی اُمیدوار خارج کر دیئے جاتے تھے، جو لوگ داخل کرلئے جاتے تھے، ان میں سے بعض تو ساری عمر تعلیم کے سلسلہ کو جاری رکھتے تھے، اور بعض فارغ ہونے کے بعد درس و تدریس کا کام شروع کر دیتے تھے، کچھ ایسے بھی ہوتے، جو بڑے عہدوں پر مقرر کر دئے جاتے، تعلیم سے فارغ ہو کر کوئی مستقل کام اختیار کرنے سے پہلے طلبہ کو سفر اور سیاحت کی ترغیب دیجاتی، عہد قدیم یا قرون وسطیٰ میں ہندوستان کی تعلیم گاہوں میں آخری امتحانات نہیں ہوتے تھے، کسی گرو کے ساتھ رہ کر تعلیم حاصل کرنا ہی کافی سمجھا جاتا تھا، ہند قدیم میں کالج سے نکلنے کے بعد بھی تعلیم کا سلسلہ قائم کیا جاسکتا تھا، اور کوئی طالب علم گرہست (بیوی بچوں والا) ہونے کے بعد بھی گرو کے پاس اگر مزید تعلیم حاصل کرسکتا تھا لیکن محض خارجی طالب علم کی حیثیت سے، کالج میں مقیم ہو کر تعلیم حاصل کرنے کی اُسے اجازت نہ تھی، کالج میں صرف وہی طلبہ قیام کرسکتے تھے، جو مجرد ہوتے،

ویدک عہد میں ہندوستان کا نصاب تعلیم مذہبیات، فلسفہ اور سائنس پر مشتمل تھا، سائنس میں ریاضی، ہیئت طبیعیات، کیمیا، طب اور معدنیات شامل تھیں، مختلف فنون کے لئے جداگانہ مدرسے تھے، جہاں اون کی نظری اور عملی تعلیم ہوتی تھی، بودھ مذہب کے زمانہ میں نصاب تعلیم یہ تھا:- مذہبیات، فلسفہ (ما بعد الطبیعیات اور منطق) سائنس (طب، مردوں کے زندہ کرنے کے جادو، پیشین گوئی کرنا، جانوروں کی بولی کی ترجمانی کرنا،) صرف و نحو، ہاتھیوں کے قصے، شکار اور تیر اندازی، بھرتری ہری کے نزدیک صحیح تعلیم کے اصلی عناصر

لٹریچر، موسیقی اور فنون ہیں، بودھ مذہب کے تعلیمی نظام میں حرفت کو اتنی اہمیت حاصل تھی، کہ جو لوگ کسی فن یا حرفت سے واقف نہ ہوتے، وہ ذلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اسٹرابو ([illegible]) کا بیان ہے کہ ہندوستان میں صنعت وحرفت کی قدر اس درجہ تھی کہ اگر کوئی شخص کسی کاریگر کے ہاتھ یا آنکھ کو بیکار کر دیتا تھا، تو وہ قتل کا مستحق سمجھا جاتا تھا، وہی بھی بیان کرتا ہے، کہ صرف دو فن ایسے تھے جو غیر سرکاری طور پر نہیں سیکھے جا سکتے تھے، ایک جہازوں کی تعمیر اور دوسرے آلاتِ حرب کا بنانا، یہ دونوں صنعتیں بادشاہ کے لئے مخصوص تھیں،

"ع ز"

انسانی غذا کا مسئلہ

وراثت اور ماحول، جن دو اجزا سے انسان کی تشکیل ہوتی ہے، اون میں سے موخر الذکر کی اہمیت تحقیق جدید کے روسے روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ وراثت سے انسان کے امکانات متعین طور پر محدود ہو جاتے ہیں، تاہم اس کا فیصلہ کہ امکانات کے ان حدود کے اندر اعلیٰ ترین مدارج حاصل ہو سکتے ہیں، یا ایک فروتر درجہ ہی تک رسائی ختم ہو جاتی ہے، ماحول ہی کے اثرات پر منحصر ہے، جسم پر ماحول کے جو اثرات پڑتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ اہم اثر غذا کا ہوتا ہے، اور آج یہ امر تسلیم کیا جا رہا ہے، کہ صحیح غذا خصوصاً ابتدائی عمر میں انسان کی بہبود اور معاشرتی فلاح پر بہت زیادہ اثر انداز ہو سکتی ہے، اس باب میں خواہش ورغبت کے بجائے سائنٹفک معلومات کا فیصلہ صحیح تسلیم کیا جانے لگا ہے، پھر بھی اس خیال کو دور کرنے کی ضرورت باقی ہے کہ نسل انسانی سائنٹفک معلومات کے بغیر جس غذا پر صدیوں سے بسر کرتی آئی ہے، اُسی کو بغیر کسی مضرت کے آیندہ بھی جاری رکھ سکتی ہے، یا در کھنا چاہئے، کہ کسی نسل کا باقی رہنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ اسکے اکثر افراد نے اپنی استعداد وصلاحیت کو حدِ امکان تک ترقی بھی دے لی ہے،

یہ بات ہمیشہ پیش نظر نہیں رہتی، کہ جس غذا کو لوگ عام طور پر کافی اور خاطر خواہ سمجھتے ہیں، وہ بھی بآسانی بہتر بنائی جا سکتی ہے، لیکن اگر پوری واقفیت کے بغیر غذا میں تجربۃً ترمیم کر دی جائے، تو اوس سے مضرت کا

بھی اندیشہ ہے، ایک ادارہ کے لڑکوں کی غذا میں روزانہ ¾ اونس مکھن اور ایک پائنٹ دودھ کا اضافہ تجربہ کے طور پر کر کے دیکھا گیا کہ ایک سال کی مدت میں اُن کے قد اور وزن کی ترقی میں نمایاں فرق ہو گیا، جن لڑکوں کی غذا میں مکھن یا دودھ شامل نہیں کیا گیا تھا، سال کے آخر میں ان کا وزن (۳.۸۵) پونڈ اور قد (۱.۸۴) انچ بڑھ گیا، جنکی غذا میں مکھن شامل کیا گیا تھا، اُن کے وزن اور قد کی ترقی (۶.۹۳) پونڈ اور (۲.۲۲) انچ تھی، اور جنکی غذا میں دودھ شامل کیا گیا تھا، اُنکے وزن اور قد میں (۷) پونڈ اور (۲.۶۳) انچ کی ترقی ہو گئی تھی، اسی طرح ایک دوسرے مدرسہ (Christ's Hospital, Horsham) میں سال بسال سے غذا کے متعلق سائنس کی جدید تحقیقات پر عمل درآمد ہو رہا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس مدرسہ کے لڑکے دوسرے مدرسوں کے ہم عمر لڑکوں سے قد اور وزن دونوں میں زیادہ ہیں، جنگ عظیم کے دوران میں جب کہ غذا کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے ناقص فراہم ہوتی تھی، کرائسٹ ہسپتال کے اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈیوں کے ٹوٹنے کے واقعات کثرت سے پیش آنے لگے تھے، اور اون کی رفتار میں ۱۹۲۲ء تک کوئی تخفیف نہیں ہوئی، برخلاف اُس کے چند روز ہوئے، جزیرہ ناورو (Nauru) میں جو بحرالکاہل میں واقع ہے، "بری بری" کی سخت وبا پھیلی ہوئی تھی، خصوصاً بچے اس مرض کا شکار کثرت سے ہو رہے تھے، جزیرہ کے سرکاری عہدہ داروں نے پہلے مشین کے پسے ہوئے غلوں کو زیادہ مقدار میں استعمال کرنے کی ترغیب دی تھی، اور پھر وہاں کی قومی شراب کا استعمال جو ناریل کے عرق سے تیار کی جاتی تھی ممنوع قرار دیدیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ غذا میں وٹامن (ب) کا عنصر کم ہو گیا، اور وبا غالب ہو گئی،

صحیح غذا کے متعلق سائنٹفک تحقیقات سے جو کچھ معلوم ہوا ہے، اس کا لب لباب یہ ہے کہ تازہ ہری ترکاریاں اور پھل غذا کے ضروری اجزا ہیں، اور یہ کہ غلہ کی مقدار اتنی زیادہ نہ ہو کہ گوشت اور دودھ مکھن وغیرہ کا تناسب کم ہو جائے، کیونکہ یہ چیزیں طاقت کے لئے ضروری ہیں، لیکن ان معلومات کے باوجود جہاں تک عمل کا تعلق ہے، لوگوں کی توجہ جیسی ہونی چاہئے نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ پرانی عادتیں آسانی

سے نہیں چھوتیں، علاوہ بریں ابھی کوئی متفق علیہ معیار صحیح غذا کا قائم نہیں ہو سکا ہے، جو مختلف مقامات و مختلف زمانوں میں کامیابی کیساتھ استعمال ہو سکے، ایسے مستند معیار کی سخت ضرورت ہے، ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ عوام الناس کو غذا کی جدید تحقیقات سے واقف کیا جائے، اگر صحیح طریقہ سے یہ تحقیقات اُن کے سامنے پیش کی جائیں، تو قوی امید ہے کہ وہ ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے، اور ایک حد تک یہ توقع اسوقت پوری بھی ہو رہی ہے،

تاہم اسے فراموش نہ کرنا چاہئے کہ غذا کے متعلق جو معلومات اب تک حاصل ہو چکے ہیں، وہ بڑی حد تک ناقص ہیں، ابھی بہت کچھ مزید معلومات حاصل کرنے ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جو کچھ اس وقت تک دریافت ہو چکا ہے، اُسے آیندہ معلومات تک معطل رکھا جائے، اس وقت بھی اُن پر عمل کرنے سے قوم کی صحت میں نمایاں ترقی ہو سکتی ہے، (ن - ج)

"ع ز"

عرب کی موجودہ حکومتیں

یہ عجیب بات ذکر جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے، اس لئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ، اور تمام قابل ذکر حکومتوں، نجد و حجاز، عسیر و یمن، لحج، نواحی مسقط، بحرین، کویت اور فلسطین و شام کے مختصر جامع حالات جمع کر دیئے گئے ہیں،

ضخامت ۱۰۰ صفحے، قیمت: عہر

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

ہندوستان کے قومی ادارۂ سائنس کی تاریخ

انڈین سائنس کانگرس (Indian Science Congress) کے اکیسویں اجلاس میں جو جنوری سنہ ۱۹۳۴ء کے پہلے ہفتہ میں بمبئی میں منعقد ہوا تھا، ان تجاویز پر بحث کی گئی، جو سال گذشتہ ایک انڈین اکاڈمی آف سائنسز (Indian Academy of Sciences) کے قیام کی نسبت پیش کی گئی تھیں، اور پھر ایک مخصوص کمیٹی مقرر کی گئی، کہ کانگرس کے آیندہ اجلاس میں اکاڈمی مذکور کے لئے ضابطہ قانون کا ایک مسودہ تیار کرے، نیز اُسے عالم وجود میں لانے کیلئے ضروری تدبیریں عمل میں لائے، کانگرس کی جنرل کمیٹی کی رائے میں مجوزہ اکاڈمی کے خاص مقاصد حسب ذیل تھے:-

۱- یہ اکاڈمی ہندوستان کی مختلف سائنٹفک سوسائٹیوں، اداروں، اور سرکاری سائنٹفک محکموں اور ملازمتوں کے درمیان روابط پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہو،

۲- ممتاز سائنسدانوں کی جماعت کی حیثیت سے ہندوستان کے اہل سائنس کے اغراض کی حفاظت اور اعانت کرے، نیز ایک نیشنل ریسرچ کونسل (National Research Council) کی خدمت انجام دے،

۳- جو مقالات اکاڈمی میں پڑھے جائیں، اُن کا خلاصہ شائع کرے،

۴- علمائے سائنس اور علماء لٹریچر کے درمیان اتحاد قائم کرے، اور اُسے استوار رکھے،

۵- سائنٹفک ریسرچ کیلئے سرمایہ فراہم کرے،

۴۔ ان کے علاوہ ہندوستان میں سائنس کی ترقی کیلئے دیگر وسائل و تدابیر بھی اختیار کرے،

اس اکاڈیمی کے عالم وجود میں لانے کیلئے جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی، اسکے ممبروں کی تعداد ابتداءً (۳۴) تھی، جو دوران سال میں (۳۹) کردی گئی، کمیٹی نے آٹھ اجلاس کئے، اور اس مسئلہ پر مختلف نقطہ ہائے نظر سے بحث کرکے اپنی تجویزین ہندوستان کے ایک سو ممتاز سائنس دانوں کی خدمت میں پیش کین، جو سائنس کی تمام شاخوں کے نمایندے تھے، اور انھیں مجوزہ اکاڈیمی کے بنیادی رفقا، (Foundation Fellows) ہونے کی دعوت دی، اور پھر ان سو رفقا، کی تجویز پر پچیس اور بنیادی رفقا منتخب کئے،

اکاڈیمی کے مرتبہ قواعد کی رو سے اعزازی رفقا، (Honorary Fellows) کی ایک متعین تعداد کے علاوہ ہر سال معمولی رفقا، سے زیادہ منتخب نہیں کئے جاسکتے،

اکاڈیمی کمیٹی نے اپنی اسکیم ۳ جنوری ۱۹۳۵ء کو انڈین سائنس کانگریس کی جنرل کمیٹی کے سامنے پیش کی، جو متفقہ طور پر منظور کرلی گئی، اور اس اکاڈیمی کا نام نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سائنسز آف انڈیا، (National Institute of Sciences of India) رکھا گیا،

۷ جنوری ۱۹۳۵ء کو سر جان اینڈرسن گورنر بنگال نے ڈاکٹر جے، ہٹن، صدر انڈین سائنس کانگریس کی استدعا پر کلکتہ میں نیشنل انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح کیا، اور اپنی تقریر میں ہندوستان کی سائنٹفک ترقی کی مختصر تاریخ بیان کی موصوف نے فرمایا کہ اس ملک میں سائنس کی ترقی کا پہلا قدم ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کا قیام تھا، جو ایک جامع حیثیت کی سوسائٹی تھی، پھر اس کے پون صدی بعد یونیورسٹیوں اور مخصوص سائنٹفک ملازمتوں کا قیام عمل میں آیا، ترقی کی تیسری منزل نصف صدی بعد انڈین سائنس کانگریس کے قیام کے ساتھ آئی، اور اب ربع صدی کی مدت گذر جانے پر نیشنل انسٹی ٹیوٹ نے ایک ایسا مرکزی ادارہ قائم کردیا ہے، جو ہندوستان کے تمام جدید سائنٹفک ریسرچ کو حاوی ہو،

گورنر کی تقریر کے بعد انسٹی ٹیوٹ کے پہلے صدر ڈاکٹر فرمر نے اپنے خطبۂ صدارت میں انسٹی ٹیوٹ

کے مقاصد کی توضیح کی، اور بتایا کہ اوس کا مطمح نظر نہ صرف علوم طبعیہ کو ترقی دینا بلکہ ملک کی فلاح کے مسائل میں عملی طور پر ان علوم سے کام لینا بھی ہو،

دروغ گیر سے مجرموں کی گرفت،

امریکہ مین ڈاکٹر کیلر (Dr. KEELER) نے سالوں کے تجربہ کے بعد ایک ایسا آلہ تیار کیا ہے، جس سے جرائم کی تفتیش میں بہت مدد مل رہی ہے، یہ آلہ عام طور پر "دروغ گیر" (LIE DETECTOR) کے نام سے مشہور ہے، اگرچہ اس کا باضابطہ نام کیلر پولیگراف (KEELER POLYGRAPH) ہے،

دروغ گیری کے مختلف ذریعے مدت سے استعمال کئے جارہے ہیں، اور مختلف طریقون سے جھوٹ بولنے والوں کی گرفت کرلی جاتی ہے، مثلاً اس سے بہت پہلے جب علمائے نفسیات نے اخفائے فریب کے طریقے ایجاد کرنیکی کوششین کین، یہ بات معلوم ہوچکی تھی، کہ جان بوجھ کر جھوٹ بولنے سے بالعموم جذبات میں انتشار پیدا ہوجاتا ہے، بعض آدمیوں پر جھوٹ بولتے وقت خجالت طاری ہوجاتی ہے، بعض اپنے بدن کو اینٹھنے لگتے ہین، یا ترچھی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں، یا اون کے لہجہ میں ایک خاص قسم کا کھنچاؤ پیدا ہوجاتا ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ چین میں پہلے چاولوں کی مدد سے دروغ گیری کا ایک قدیم طریقہ رائج تھا، ملزم سے کہا جاتا تھا کہ کچے چاول چبا کر تھوک دے، منہ سے نکلنے کے بعد اگر چاول خشک پائے جاتے، تو یہ ملزم کے جرم کی علامت سمجھی جاتی، اس خیال کی بنا پر کہ افشا کے خوف سے ملزم کا حلق اور لعاب دہن خشک ہوجاتا ہے، لیکن ڈاکٹر کیلر کے آلۂ دروغ گیر نے ان تمام سابق طریقوں کو پس پشت ڈالدیا ہے، اور حیرت انگیز کامیابی کیساتھ جرائم کی تفتیش میں مفید ثابت ہورہا ہے، اس آلہ کے تین حصے ہیں، ایک حصہ سے تنفس کا تغیر ظاہر ہوجاتا ہے، اور دوسرے سے نبض کی حالت اور خون کا دباؤ معلوم ہوجاتا ہے، تیسرے حصہ کا کام صرف یہ ہے، کہ پہلے دونوں حصوں سے جو نتیجہ ظاہر ہو، اسکی تحقیق کرلے، جانچ کے وقت ملزم کے سینہ پر چاروں

طرف ربر کی ایک نلکی لگا دیجاتی ہے، جسے نیوموگراف (PREUMOGRAPH) کہتے ہیں، اور خون کا دباؤ معلوم کرنے کیلئے بازو کے بالائی حصہ میں اسی قسم کا ایک حلقہ کس کر پہنا دیتے ہیں، جس قسم کا حلقہ اطباء استعمال کرتے ہیں، ربر کی نلکیاں جن کا قطر تقریباً چوتھائی انچ ہوتا ہے، سینہ اور بازو کے حلقون کو آلہ سے ملا دیتی ہیں، آلہ میں پتلے پتلے قلم لگے ہوتے ہیں، اور ہر قلم کی نوک پر ایک چھوٹی سی پیالی ہوتی ہے جسمین روشنائی بھری ہوتی ہے، یہ قلم نبض اور تنفس کی ہر حرکت کیساتھ جنبش کرتے ہیں، اور ان کی جنبش سے کاغذ پر نشانات بنتے جاتے ہیں، جو آہستہ آہستہ کھسکتا جاتا ہے، جانچ کے وقت پہلے ملزم سے چند معمولی اور غیر اہم سوالات کئے جاتے ہیں، مثلاً "تم نے آج صبح ناشتہ کیا ہے یا نہیں"؟ ان ابتدائی سوالات سے وہ آلہ سے مانوس ہوجاتا ہے، نیز ان سوالات سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے، کہ اگر خوف یا غصہ کی وجہ سے، اس کے جذبات میں کوئی غیر معمولی کیفیت پیدا ہوتی ہے، تو اوس کا نقش بھی کاغذ پر آجاتا ہے، ان سوالات کے بعد اصل معاملہ کے متعلق اس سے دریافت کیا جاتا ہے، گذشتہ تین سال کے عرصہ میں پروفیسر کیلر اور ان کے ساتھیون نے اس آلہ کی مدد سے تقریباً ساڑھے تین ہزار آدمیون کی جانچ معمولی چوری سے لیکر قتل تک ہر قسم کے جرائم کے سلسلہ مین کی، پروفیسر موصوف کا بیان ہے، کہ جن ملزمون کو اس آلہ نے مجرم قرار دیدیا تھا، ان میں سے (۷۵) فی صدی اشخاص نے بعد میں اپنے جرائم کا اقرار کرکے آلہ کی حیرت انگیز کامیابی کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے، یہ آلہ ابھی تک کسی عدالت میں شہادت کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا ہے، لیکن امید کی جاتی ہے، کہ کسی نہ کسی وقت اسکی شہادت مستند تسلیم کرلی جائے گی،

ہندوستانی کتبخانون کی کانفرنس

۱۹-۲۰، ۲۱ اپریل کو لکھنو مین ہندوستانی کتبخانون کی کانفرنس لکھنو یونیورسٹی کے ہال میں منعقد ہوئی اور کتابون اور کتبخانون کی حفاظت پر متعدد تجویزیں منظور ہوئیں،

"ع ز"

ادبیات

"دعا"

از

جناب عبدالسمیع صاحب پال اثر صہبائی بی اے ال ال بی وکیل سیالکوٹ

ترے جمال سے بزمِ حیات روشن ہے، تری ضیاء سے دلِ کائنات روشن ہے

ہر ایک حُسن ہے تیرے ہی حُسن کا پرتو، ہر ایک ذرّے میں جلوہ فشان ہے تیری ہی ضو

سدا روان ہے ترا بحرِ بیکرانِ کرم قیاس و وہم سے بالا ہے تیری شانِ کرم

یہ میری روح ابھی تک مگر ہے تیرہ و تار یہ بےنصیب ہے محرومِ بارشِ انوار

ادھر بھی اک نگہِ دل نواز ہوجائے مرا وجود سراپا گداز ہوجائے،

میرے خیال کو رنگینیٔ بہار ملے، نظر کو نور ملے روح کو قرار ملے،

میرے ہر اشک کو پاکیزگی گہر کی ملے، سحر کا نور ملے چاندنی قمر کی ملے،

میرا شباب ہو تصویر پاکبازی کی یہ آفتاب ہو تنویر پاکبازی کی،

فغان نیم شبی کو عطا ہو سوز و گداز ہر ایک آہ ہو آئینہ خلوص و نیاز

دکھا کے جلوہ نگاہون کو پاکباز بنا صنم پرست کو بیگانۂ مجاز بنا،

ترے ہی ذکر میں سرشار صبح و شام رہون

ترے ہی عشق میں نغمہ سرا مدام رہون

سخنِ ماہر

ازمولوی منظور حسین صاحب ماہرالقادری حیدرآباد دکن

سجدہ گہ ساقی کا پابے ناز رہنا چاہیے ۔ بیخودی میں ہوش کا انداز رہنا چاہیے

جانے کب ہوجائیں سازِ دل کے پردے نغمہ ریز ۔ ہر نفس کو گوش بر آواز رہنا چاہیے،

ہوگئے بیدار احساسِ غرورِ حُسن سے ۔ وہ کہ جن کو محوِ خوابِ ناز رہنا چاہیے

فتنہ گر! پہلی نظر ہی میں نہ دل ہوجائے خاک ۔ رحم کر، آغاز کو آغاز رہنا چاہیے،

کیا خبر کب ہو نسیمِ کوے جاناں کا گذر ۔ ہر گھڑی دل کا دریچہ باز رہنا چاہیے

عشق پر ہے احترامِ حسن ہر حالت میں فرض ۔ ہوش کو وقفِ نگاہِ ناز رہنا چاہیے

جُستجو اک وہمِ باطل، کوششِ افشا فضول ۔ زندگی ہے راز، اس کو راز رہنا چاہیے،

سا غرِ اشعار میں ماہر بہ عنوانِ خیال ۔ بادۂ خمخانۂ شیراز رہنا چاہیے

حجابِ بے حجابی

جناب سید تنویر علی صاحب تنویرؔ نئی دہلی

کیوں نہ ہوارض و سماکون و مکان میرے لئے ۔ جب کہ میں اس کا ہوں و آرام جان میرے لئے

اسقدر سجدے کئے ہیں آستانِ شوق پر ۔ ہوگیا ہر ذرہ سنگِ آستاں میرے لئے

بے حجابی پر بھی اتنا ہے تمھیں مجھسے حجاب ۔ رہ گئے آنکھوں میں ہو تم پھر بھی نہاں میرے لئے

زندگی کے ہائے اِس احساس نے مارا مجھے ۔ یہ جوانی ہے بلائے ناگہاں میرے لئے

مجھسے پوچھے یاد میں تیری کوئی جینے کا لطف ۔ ہر نفس ہے رشکِ عمرِ جاوداں میرے لئے

زندگانی ہے مری تنویر وقفِ اضطراب ۔ اس جہان میں ہے سکونِ دل کہاں میرے لئے

مطبوعاتِ جدیدہ

دستورِ پہلوی، ازجناب دین محمد صاحب بی اے، الریاض، ہال بازار، امرتسر، ۶۴ صفحے، مطبوعہ ٹائپ، قیمت ۱۲؎

اسمیں لائق مصنف نے پہلوی زبان کے قواعد صرف ونحو فارسی زبان میں لکھے ہیں، اور اون کی فارسی زبان کے قواعد سے مطابقت دکھائی ہے، شروع میں ایک فاضلانہ مقدمہ ہے، جسمیں عرب اور یورپین مورخین کے بیانات کی روشنی مین قدیم ایرین زبانوں پھر ایران کی مختلف زبانون کا باہمی تعلق سمجھایا ہو، آخری باب "پہلوی و فارسی" کے عنوان سے ہے، اسمیں مختلف عرب و فارسی مورخین و شعرا کے بیانات سے استدلال لاکر فارسی زبانون کو پہلوی زبان کی ترقی یافتہ شکل بتایا ہے، اور دونون زبانون کے ہم معنی و ہم مخرج لفظوں اور لہجوں کی مثالیں درج کی ہیں، اس کتاب کی روشنی میں بہت سے موجودہ فارسی الفاظ و تغیرات کی اصل حقیقت کا پتہ چلتا ہے، لائق مصنف کی محنت و تحقیق اور کدو کاوش، ہماری پوری قدردانی کی مستحق ہے، اور کہا جاسکتا ہے، کہ ہمارے ملک نے فارسی زبان کی ایسی خدمت کی ہے، جو امید ہے کہ بھلائی نہ جائے گی،

ہم اس "دستور پہلوی" کے ذریعہ اس زبان سے اس حد تک ضرور مانوس ہوسکتے ہین، کہ اوس کا لٹریچر بآسانی پڑھا جاسکے، امید ہے کہ مشرقیات کے فاضل اہل علم اس سے اپنی دلچسپی کا ثبوت دیں گے.

نگارستانِ کشمیر، مصنفہ مولوی قاضی نورالحسن صاحب ناظم سیوہاروی، مکان مولوی فیض الدین صاحب ایڈوکیٹ محلہ عابد شاب حیدرآباد، دکن، ۲۰۰ صفحے، قیمت ۱۲؎

نگارستانِ کشمیر، مصنف کی سیرِ کشمیر کے پائدار تحریری نقوش ہیں، وہاں مؤلف کی نگاہ سے چند غیر مسلم مصنفین کی لکھی ہوئی، کشمیر کی تاریخیں گذریں، جنمیں انھون نے بڑی ناانصافی سے مسلمان سلاطینِ کشمیر، اولیا، صوفیہ، اور عام مسلمانانِ کشمیر کے بدنما خط وخال دکھائے ہین، اور بڑی دریدہ دہنی سے اون کا ذکر اپنی کتابون میں کیا ہے، یہ دیکھکر مصنف کو کشمیر کی صحیح تاریخ لکھنے کا خیال پیدا ہوا کہ اس خطے سے مسلمانوں کو دیرینہ تعلق رہا ہے، اور آج بھی انکی بڑی آبادی یہان موجود ہے،

اسمیں مصنف نے اولاً اپنے کشمیر کی سیر کے حالات لکھے ہیں، پھر غیر مسلم مصنفین کی کشمیر کی تاریخوں میں مسلمانون پر جو زیادتیاں کی گئی ہین، ان کو دکھایا ہے، اسکے بعد کشمیر کے عہدِ قدیم سے دورِ حاضر تک کے حالات بہ ترتیبِ زمانہ بیان کئے ہین، پھر ایک باب میں کشمیر کے اولیا، وصوفیہ کا تذکرہ ہے، اس کے بعد مشاہیر شعراء واہلِ علم کا ذکر آیا ہے، اس ذیل میں "قبر یوذاسف" پر گفتگو کرکے اس کے "قبرِ مسیح" ہونے کے دعوی کی دلیل سے پرزور تردید بھی کی ہے، آخر میں اسلام اور اسکی تعلیمات سے متعلق چند امور بیان کئے گئے ہیں، لائق مصنف نے واقعات کے جمع ترتیب، تحقیق اور الزامات کے دور کرنے مین محنت وکاوش صرف کی ہے، لیکن کتاب کی ترتیب وتبویب مزید توجہ کی محتاج رہ گئی ہے،

دیوانِ معروف، ناشر جناب عابد القادری، مولوی محلہ بدایون، حجم ۲۴۴ صفحے، قیمت عہ

یہ مرزا نوشہ غالب کے خسر نواب الٰہی بخش خان چشتی دہلوی، معروف کا اردو دیوان ہے، معروف مرحوم مرزا احمد بخش والی ریاست فیروزپور جھرکا و لوہارو کے چھوٹے بھائی تھے لیکن دنیاوی جاہ وثروت سے کنارہ کش رہکر اپنی ساری زندگی صوفیانہ گذاردی، وہ شاہ نصیر کے تلامذہ میں تھے، اور ان کی شاعری تقریباً ڈیڑھ پونے دوسو سال پہلے کی اردو شاعری کا نمونہ ہے، شمس العلما مولانا آزاد نے آبحیات میں انھین ذوق کا شاگرد لکھدیا تھا، مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب گلِ رعنا کو پہلی مرتبہ تنبہ ہوا، اور دلائل سے اسکی تردید کی، اور اب اس دیوان کے مقدمہ سے پہلی مرتبہ یہ علم ہوا، کہ معروف مرحوم کے بعض اعزہ نے آبحیات

کی اشاعت کے ساتھ ہی مصنف کو ٹوکا تھا، اور انھوں نے طبع ثانی میں اسکی تصحیح کا وعدہ کیا تھا مگر اسکی نوبت نہ آسکی،

معروف نے اپنے دو دیوان یادگار چھوڑے تھے، اور دونون اسوقت تک قلمی تھے، جناب مرزا نصر اللہ خان صاحب کی ادب نوازی، اور مولانا شاہ عبد الحامد صاحب قادری بدایونی کی تصحیح وترتیب سے ان میں کا یہ ایک دیوان پہلی مرتبہ شائع ہوا ہے، جسمیں ردیف وار غزلوں کے علاوہ مختلف اصنافِ سخن کے کلام موجود ہیں، مرتب نے اپنے مقدمہ مین معروف مرحوم کے خاندانی حالات لکھکر ان کی شاعری پر اجمالی بحث کی ہے، پھر کتاب کے آخر میں مرزا نصر اللہ خان صاحب کا ایک تتمہ ہے، موصوف، معروف مرحوم کے خاندان سے ہیں اور ان کے خاندانی حالات تفصیل سے لکھے ہیں، اور آخر میں مختلف تذکروں "گلشن بیخار"، "تذکرہ شعرائے ہند" اور "گلستان سخن" میں سے جو معروف سے قریبی عہد کی تصنیفات ہین اون کے حالات یکجا کردئے ہیں، پھر آبحیات کی روایتِ تلمذ کی تردید کی ہے، اس کے بعد جناب احسن مارہروی لکچرار مسلم یونیورسٹی کا ان کی شاعری پر تبصرہ درج ہے، اور اُن کے کلام میں "میر کا سوز وگداز"، "سودا کا انداز"، "درد کا حقیقت نما مجاز"، "جرأت کا ساز وباز"، "نصیر کا شاعرانہ اعجاز" اور "ذوق کا پرداز" سب کچھ دکھا دیا ہے، پھر اسی طرح کی مختلف منثور ومنظوم تقریظیں درج ہیں، "شاعری کے محرم راز" جناب احسن نے اگر شاعرانہ مبالغہ سے کام نہیں لیا ہے تو یہ کہنا مشکل ہے، کہ معروف کے کلام میں میر کا سوز وگداز، سودا کا انداز، درد کا حقیقت نما مجاز اور نصیر کا شاعرانہ اعجاز ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے ہان جرأت کا ساز وباز اور ذوق کا پرداز ہو،

خاتم النبیین، از مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری مرحوم، ۹۶ صفحے، ناشر مجلس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت،

یہ رسالہ قادیانیوں کے عقیدۂ اجرائے نبوت کے مسکت عقلی ونقلی جوابات پر مشتمل ہے، اسے مولانا مرحوم نے فارسی زبان میں اپنے ہم وطن کشمیریوں اور بلوچستان کے مسلمانوں کیلئے لکھا تھا، لیکن وہ اپنی زندگی میں شائع نہ کرسکے، کارکنانِ مجلسِ علمی ڈابھیل نے اُسے شائع کیا ہے، اور ان کا ارادہ ہے کہ اسے اردو میں ترجمہ کرکے ترتیب وتبویب کیساتھ دوبارہ شائع کریں،

کذباتِ مرزا، از مولوی نور محمد خان صاحب، مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور ۲۶ صفحے قیمت ۴ر

یہ معنوی اعتبار سے ایک دلچسپ رسالہ ہے، اسمیں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی تصنیفات اعلانات اور اشتہارات سے ایسے گھڑے ہوئے (۲۰۵) احادیث، آثار اور اقوال وغیرہ جمع کئے گئے ہیں جن کے حوالے میں مرزا صاحب نے اپنی تصنیفات وغیرہ میں مختلف کتابوں کے نام لکھے تھے، مگر وہ احادیث آثار و اقوال نہ صرف ان حوالہ دی ہوئی کتابوں میں موجود نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر مرزا صاحب کی کتابوں کے علاوہ مؤلف کے بیان کے مطابق دنیا کی کسی کتاب میں بھی موجود نہیں ہیں، اور بلکہ بعض مقامات پر بعض قادیانی مناظروں کا یہ تحریری اعتراف بھی درج کیا ہے، کہ مثلاً بخاری کے حوالہ کا ذکر سبقتِ قلم ہے، اسے کذب قرار دینا ظلم ہے، (تجلیات رحمانیہ ص ۸۹) افسوس ہو کہ تحریر کا لب و لہجہ کسی قدر تیز اور مناظرانہ ہو ورنہ یہ رسالہ احمدیت و قادیانیت کے رد کی ایک بہترین کڑی بن سکتا ہے،

صحت الاغلاط، مرتبہ جناب میر احمد علی خان صاحب حیدرآبادی، ۴۰ صفحے،

اس رسالہ میں چند ایسے الفاظ کی تصحیح کی گئی ہے، جو عوام میں غلط بولے اور لکھے جاتے ہیں اس کا مطالعہ مبتدیوں کیلئے مفید ہوگا،

بچوں کا تحفہ (حصہ اول و دوم) از جناب محمد شفیع صاحب، تیر استاذ ماڈرن ہائی اسکول نمبر ۸۶ کوچہ تاراچند، دہلی حجم ہر دو حصہ تقریباً ۲۰ صفحے، تقطیع چھوٹی،

بچوں کی تعلیم و تربیت کا ایک ذریعہ مفید نظمیں بھی ہیں، مؤلف نے اس ذریعہ کو مناسب طریقہ سے استعمال کیا ہے، اور چھوٹے بچوں کیلئے دلکش اور مصور سرورق پر دو حصوں میں بچوں کا تحفہ تیار کرکے شائع کیا ہے، بچوں کی عمر و استعداد کا لحاظ کرکے پہلے حصہ سے دوسرے حصہ میں زبان اور معلومات کا ذخیرہ تدریجاً بڑھایا ہے، نظموں کی زبان سادہ سلیس اور بچوں کی عمر و استعداد کے متناسب ہے، امید ہے کہ یہ بچوں کے لئے ان کا واقعی دل بہلانے والا تحفہ ثابت ہوگا،

"س"

جلد ۳۵ | ماہ صفر ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۵ء | عدد ۶

مضامین